آئینہ حقیقت

تعزیرات قلم

علامہ ارشد القادری

مطبوعات لوح و قلم لاہور

واحد تقسیم کار: المعارف گنج بخش روڈ، لاہور

آئینہ حقیقت

تعزیرات قلم

علامہ ارشد القادری

اخلاقی مسائل میں اظہار خیال کا ایک نیا
اسلوب اور فکر انگیز طریقہ استدلال

مطبوعات لوح و قلم لاہور

واحد تقسیم کار: "المعارف" گنج بخش روڈ، لاہور

ناشر ------ "لوح وقلم" لاہور

طابع ------ مکتبہ جدید پریس لاہور

سال اشاعت ------ ۱۹۸۶ء

تعداد اشاعت ------ ایک ہزار

مطبع ------ رومی پرنٹرز۔ لاہور

قیمت ------ -/۱۵ روپے

تقسیم کار

المعارف ۔ گنج بخش روڈ لاہور

مکتبہ رضائے مصطفیٰ

چوک دارالسلام گوجرانوالہ

اعوان سٹیشنری مارٹ ۔ چکوال ۔

فہرست مضامین

انتساب

ان لوگوں کے نام جو حق کو حق سمجھتے ہیں
اور اس کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

حق و باطل اور صحیح و غلط کے درمیان اختلاف فطری بھی ہے اور لازمی بھی۔ فطری اس لئے کہ انسان کے بولنے، چلنے، پھرنے، سونے جاگنے، اور کھانے پینے پر آپ جتنی چاہیں پابندی لگالیں لیکن سوچنے پر آپ کوئی پابندی نہیں لگا سکتے۔ اسی کے ساتھ یہ حقیقت بھی اپنی جگہ پہ دو اور دو چار کی طرح مسلم ہے کہ سوچنے کی آزادی ہی اختلاف کو جنم دیتی ہے کیونکہ ہر شخص کے ذہن کی ساخت الگ الگ ہے اس لئے سوچنے کا انداز بھی الگ الگ ہوتا ہے کوئی صحیح سوچتا ہے اور کسی کی عقل غلط سوچتی ہے یہیں سے اختلاف رائے کی بنیاد پڑتی ہے۔ اگر دنیا کے سارے انسان ایک ہی رُخ پر سوچتے تو زندگی کے مسائل میں نہ طرح طرح کے بحثوں کا دروازہ کھلتا اور نہ اتنے مذاہب فکر وجود میں آتے۔

اور لازمی اس لئے ہے کہ اگر حق و باطل اور صحیح و غلط کے درمیان اختلاف نہ ہو تو صحیح و غلط حق و باطل کا امتیاز ہی ختم ہو جائے پھر حق کو بھی حق کہیئے اور باطل کو بھی حق۔ صحیح کو بھی صحیح کہیئے اور غلط کو بھی صحیح، اور اس کا غلط ہونا محتاج ثبوت نہیں۔

جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ حق و باطل اور صحیح و غلط کے درمیان اختلاف فطری بھی ہے اور لازمی بھی۔ تو اتنا اور سمجھ لیجئے کہ کسی بھی مسئلے میں اختلاف و اتفاق کے دو درجے ہیں۔ پہلا درجہ اعتقاد کا ہے

اور "دوسرا درجہ عمل کا اعتقاد سے میری مُراد دل سے حق کو حق سمجھنا اور
باطل کو باطل یقین کرنا ہے اور عمل سے میری مراد کسی چیز کے حق ہونے کا
جو تقاضا ہے اسے اپنے گفتار و کردار سے پورا کرنا ہے ۔ مثال کے طور پر حق
کا تقاضا ہے کہ اسے باقی رکھا جائے ۔ اسے لوگوں کے درمیان پھیلایا جائے
اور ہر طرح اس کا احترام کیا جائے اور باطل کا تقاضا ہے کہ اسے مٹایا جائے
اسے لوگوں کے درمیان پھیلنے سے روکا جائے اور اس کی تذلیل کی جائے
اپنی ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حقیقت کی
طرف اشارہ فرمایا ہے کہ "تم میں سے جو شخص بھی کوئی بُرائی دیکھے تو اس
کا فرض ہے کہ وہ اسے اپنے ہاتھوں سے مٹا دے اور اگر ہاتھ میں اتنی
قوت نہیں ہے تو اپنی زبان سے منع کرے اور اگر اتنی بھی سکت اس
کے اندر نہیں ہے تو اپنے دل سے بُرا سمجھے اور یہ ایمان کا سب سے آخری
درجہ ہے ۔" ؎

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حق کو حق نہ سمجھنا اور باطل کو باطل نہ قرار
دینا یہ انسانی عقل و فکر کی سب سے بڑی شقاوت ہے ۔ لیکن اس سے
بھی بڑی شقاوت یہ ہے کہ حق کو حق مان لینے کے بعد اپنے قول و فعل سے
اس کا اظہار نہ کیا جائے اور باطل کو باطل قرار دے لینے کے بعد اپنے گفتار و
کردار سے اس کی مذمت نہ کی جائے ۔

اعتقاد و عمل کے درمیان اس طرح کا تضاد دولت و جاہ کی لالچ

؎ جہاد بالید (جہاد بالسیف) — جہاد باللسان (جہاد بالقلم) اور
جہاد بالقلب (تزکیۂ قلب و ذہن) — یہ تین درجے ہیں ۔ عام لفظوں میں
تبلیغ اسلام اور مکمل اسلامی شخصیت (عمل صالح) اور تبلیغ و تحریض اور
[illegible] — [illegible] (ایمان و یقین) ، قبول اسلام (درجہ [illegible]) -

یہ قرآن حکیم میں منافقین کی کئی صفات کا ذکر ہے - ضرورت اس امر کی ہے کہ قرآن حکیم کی آیات مقدسہ اور احادیث نبویہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

اور دُنیوی منفعت کی طمع سے پیدا ہوتا ہے - مدینے کے منافقین بھی اسی رذالت کا شکار تھے - دل چونکہ کفر کا گرویدہ تھا اس لئے اندر سے مشرکین عرب کے حامی تھے لیکن اہلِ اسلام کا غلبہ دیکھ کر دُنیوی مفادات کی لالچ میں وہ زبان سے کلمہ بھی پڑھتے تھے اور نمازوں کے لئے مسجد میں بھی آتے تھے آخر ایک دن قرآن نے ان کے دوغلے پن کا بھانڈا پھوڑ دیا اور برملا اعلان کر دیا کہ وُہ صرف زبان سے رسالت کی شہادت دیتے ہیں دل کا عقیدہ ان کی زبان سے ہم آہنگ نہیں ہے اس لئے وُہ اپنے کلمہ شہادت میں جھوٹے اور فریب کار ہیں -

بہت دنوں تک وہ اپنے دل کے نفاق کے ساتھ مُسلم معاشرہ کا ایک حصہ بن کر زندگی گذارتے رہے لیکن حق کے ساتھ باطل کا یہ اختلاط خدا کو پسند نہیں آیا بالآخر ایک دن رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام پکار پکار کر بھری مسجد سے انہیں نکلوا دیا تاکہ حق ہمیشہ کیلئے واضح اور محفوظ ہو جائے اور باطل کی آمیزش سے اہل حق کا معاشرہ بھی گندہ نہ ہو - یہ تھا اسلام کا وُہ نکھرا ہوا سونا جس کی آب و تاب سے دُنیا کی آنکھیں خیرہ ہو کے رہ گئی تھیں -

---

بڑے قلق کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ عصر حاضر میں نفاق کا یہ مرض وبا کی طرح پھیل رہا ہے - دولت و جاہ کی لالچ اور دُنیوی مفادات کی طمع میں حق و باطل کا امتیاز نگاہوں سے اوجھل ہوتا جا رہا ہے اور آنکھوں

سے منافقین کی یہ خصلت ہمیشہ یاد رکھی کہ (اوّل) ان کے دل اور زبان میں مطابقت نہیں ہوتی ہے (دوم) ان کا رجحان کفر کی طرف ہوتا ہے اس لئے جب ان میں ہوتے ہیں تو کلمہ پڑھتے ہیں [illegible] نہیں [illegible] ہوتا ہے - اس لئے ان سے [illegible]

میں دھول جھونک کر اندھیرے اجالے کا فرق مٹانے کی مذموم کوشش
کی جا رہی ہے۔ آج جھوٹی عزت اور ہر دلعزیز بننے کی لالچ میں جس
بیدردی کے ساتھ لوگ حق کے تقاضوں کو پامال کر رہے ہیں وہ ہمارے
اخلاقی کردار کی بڑی شرمناک تصویر ہے، ایک طرف حرم سے تعلق
رکھنا چاہتے ہیں اور دوسری طرف بتخانوں سے بھی تال میل ہے ایک
طرف اولیاء اللہ کے روحانی مراکز سے بھی عقیدت ہے اور دوسری
طرف مخالفین کی بھی سرپرستی فرماتے ہیں سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگوں کا
مذہبی ضمیر اس درجہ بے حس کیوں ہو گیا ہے؟

مثال کے طور پر اس طرح کے سینکڑوں چہرے خود میری نظر میں ہیں
جو ایک طرف نہایت عقیدت و احترام کے ساتھ مزاروں پر چادر
بھی چڑھاتے ہیں، درگاہوں کی دہلیز پر سر بھی جھکاتے ہیں۔ مرادیں بھی
مانگتے ہیں اور نذر و نیاز بھی کرتے ہیں اور دوسری طرف ان لوگوں کو
بھی برسرِ حق سمجھتے ہیں۔ جن کے مذہب میں یہ سارے امور شرک جلی ہیں
بیک وقت دو متضاد مکاتیب فکر کے ساتھ اپنے حسنِ اعتقاد کا رابطہ
رکھ کر وہ کھلے بندوں اس حقیقت کا اظہار کرتے ہیں کہ صحیح معنوں
میں وہ اولیاء اللہ کے عقیدت کیش ہیں اور نہ مخالفین ہی کے وفادار ہیں
وہ لوگ مفاد پرست قسم کے مذہبی سوداگر ہیں جو ہر دکاندار کے
ہاتھ اپنا ضمیر بیچتے پھرتے ہیں۔

حقیقت پسندی کا تقاضا یہ ہے کہ جب عقیدے کے ساتھ تصادم

میں ۱۱۴ سورتوں میں ۵ سورتوں کے نام ہیں (۱) سورۂ مومنون (۶۰) سورۂ کافرون (۶۳) سورۂ منافقون — ۲ ۳ اسلام میں بیٹھو

کی بات آجائے تو وہاں حالات سے کوئی سمجھوتہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ
فراخدلی اور عفو و درگزر کا مظاہرہ ذاتی مخالفتوں میں تو چل سکتا ہے
لیکن "دینی مخالفت" کے موقعہ پر چشم پوشی اور رُو رعایت کی کوئی گنجائش
نہیں ہے۔ وہاں تو شائستہ لب و لہجہ میں اختلاف رائے کا اظہار ہی
مرد مومن کا شیوہ ہے

۱۴۵۵

دین کے معاملے میں اسی بے لاگ عمل کا نتیجہ ہے کہ ڈیڑھ ہزار برس
کی طویل مدّت کے بعد بھی آج اسلام کا اثاثہ اپنی اصل حالت میں
ہمارے پاس موجود ہے۔

اگر ہمارے مقدّس اسلاف نے باطل کی آمیزش سے حق کو پاک اور
محفوظ رکھنے کا اہتمام نہ کیا ہوتا تو اسلام کا شفاف آئینہ گرد و غبار کے نیچے
دب گیا ہوتا۔ خدائے قدیر ان کی تربتوں پر صبح و شام اپنی رحمتوں کے
بادل برسائے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق مرحمت کرے۔

۲۵

اسی جذبے کے تحت آج سے تقریباً بیس سال پیشتر جب کلکتے سے
ہم "جام نور" نکالتے تھے "تعزیرات قلم" کے عنوان سے ایک نئے اسلوب
میں مذہبی تنقیدوں کا ہم نے سلسلہ شروع کیا تھا جس کی شائستگی زبان
کی متانت اور قوت استدلال سے اپنے تو اپنے غیر بھی بہت زیادہ متاثر تھے
ملک کے طول و عرض میں جام نور کے شائقین کا ایک وسیع حلقہ
آج بھی موجود ہے ان کی طرف سے بار بار مطالبہ ہوا کہ افادۂ عام کی خاطر

اور دوسری جانب یہ لوگ اپنے مذہب سے اس قدر مخلص بھی ہوتے ہیں — کہ انہیں اپنا مذہب سے سچی ، پکی محبت ہو تو جان دے دیں مگر اپنا مذہب نہ چھپائیں — اس کا کھل کر اقرار کریں — اس سے بہتر تو کھلے کافر ہوتے ہیں — منافقین راز لے کر مسلمانوں اور کافروں کو بعض اوقات ، بغیر کسی سبب کے ... لڑاتے بھڑاتے ہیں —

گروہ موجود ہیں — جیسے [illegible] موجود ہو بحوس و قصدی
کی طرح [illegible] اہل تشیع، بابی اور [illegible]
مگر ایک گروہ ان کے سوا بھی ہے — جو منافقین کا گروہ

"تعزیرات قلم" کا مجموعہ کتابی شکل میں شائع کردیا جائے۔ آمادگی کے باوجود
اپنی گوناگوں مصروفیات کے باعث ہم اب تک موقعہ نہیں نکال سکے کہ
اسے ترتیب دیکر پریس کے حوالے کریں۔

آج جب کہ یہ کتاب طباعت کے مرحلے میں داخل ہو رہی ہے
میں اہل سنت کے عوام و خواص دونوں طبقے سے اپیل کرتا ہوں کہ اسے
زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کریں۔ ہمارے یہاں
فرقہائے باطلہ کے رد و ابطال پر ایک سے ایک کتابیں موجود ہیں لیکن
اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ "انداز بیان کی شگفتگی" اور "طرز استدلال"
کی دلکشی کے باعث اس کتاب کو وہ طبقہ بھی بطیب خاطر پڑھ لیتا ہے
جس کی اصلاح ہمارے پیش نظر ہے۔ ان میں سے کسی ایک کو بھی
ہدایت نصیب ہوگئی تو میرے لکھنے کی اور آپ کے پہنچانے کی محنت
وصول ہو جائے گی — صلی اللہ علی خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وحزبہ اجمعین

ہے مدنظر اصل میں اصلاح مفاسد
نشتر جو لگاتا ہے وہ دشمن نہیں ہوتا

ارشد القادری
مکتبہ جام نور۔ جمشید پور (بہار)
۲۰ فروری ۱۹۸۴ء

سے یہ انداز بیان، یہ دلکش تشبیہات، چٹخارے دار اسلوب، ادبی
چاشنی، سنجیدہ منطق، بالخصوص اسکولوں اور کالجوں کے فارغ التحصیل
افراد کو بے حد متاثر کرتی ہیں — علامہ ارشد القادری مدظلہ
العالی نے "جماعت اسلامی" "تبلیغی جماعت" اور "زلزلہ" جیسی
شاہکار تصانیف لکھیں جن کا موضوع جدالی اور انداز [illegible] ہے —

ے ایک بے چارے ماہر صاحب ہی پر کیا موقوف، برصغیر پاک و ہند میں ایسی بیسیوں مثالیں (۱) موجود ہیں۔ حتیٰ کہ وہابیہ کے امام اول یعنی شیخ نجدی کے والد محترم مولانا عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے سگے بھائی علامہ مولانا سلیمان بن عبد الوہاب

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ماہنامہ "فاران" کراچی

"فاران" کے ایڈیٹر جناب ماہر القادری صاحب جس خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں اس کی ایک آخری نشانی اب بھی ان کے نام کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ "قادری" کا لفظ جو ان کے نام کا ایک جزو بن چکا ہے وہ واضح طور پر اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ جس ماحول میں انھوں نے آنکھ کھولی تھی وہ اولیاء اللہ کی عقیدت کا گہوارہ تھا۔ ماہر صاحب اسی گہوارے میں پروان چڑھے اور ایک عرصے تک ان ساری روایات کو حق بجانب سمجھتے رہے جو ان کے بزرگوں سے انھیں ورثے میں ملی تھیں عشق و عقیدت میں ڈوبے ہوئے اسی ماحول کے زیر اثر ان کے قلم سے نکلا ہوا ایک شعر اب تک حافظے میں محفوظ ہے۔ بارگاہ رسالت ؐ میں سلام کا خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے انھوں نے لکھا تھا ؎

سلام اس پر کہ جس کا نام لیکر اس کے شیدائی
الٹ دیتے ہیں تاج قیصریت تخت دارائی

لیکن اب ماہر صاحب "لیلائے نجد" کے فیضان سے "موحد" ہو چکے ہیں اب

ے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً کثیراً
ے یعنی نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین

ایمان و اسلام کا جو نیا جغرافیا اُن کے حوالے کیا گیا ہے اُس میں نہ کسی مزار کا نقشہ سلامت ہے اور نہ پرانی عقیدت اور دیرینہ روایات کا کوئی ہیکل اپنی جگہ پر محفوظ ہے۔ حتیٰ کہ اُس نئے مذہب فکر میں اب اُن کے شعر کے جواز کے لئے بھی کوئی گنجائش نہیں ہے جسے انھوں نے کبھی جذبۂ عشق و ایمان سے بوجھل ہو کر لکھا تھا کیونکہ عجمی زبان میں، ایک خاص بحر، خاص تسلسل اور خاص قیود کے ساتھ "سلام" کی ہیئت ہی بجائے خود ایک بدعت ہے۔ اور کسی خاص موقع پر جذبات کی توانائی حاصل کرنے کے لئے رسول کا نام لینا تو اور بھی قیامت ہے۔ شیدائی ہونا تو بڑی بات ہے کہ دین و ایمان ہی کی سلامتی خطرے میں ہے "یا رسول اللہ" کہہ دینے کے بعد شرک کی زد سے بچ نکلنا کچھ آسان کام نہیں ہے بہت ممکن ہے کہ ماہر صاحب اب اپنے اس طرح کے تمام اشعار سے ذہنی طور پر تائب ہو چکے ہوں۔

پھر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ جب ان کے عقیدے میں غیر اللہ کی طرف کسی چیز کی نسبت ہی حرام ہے تو انھوں نے اپنے آپ کو سرکار عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی طرف منسوب کر کے کیوں اپنے مسلک کو اب تک مورد حرام بنا رکھا ہے۔ جبکہ اس طرح کی نسبتوں کے بدعت اور نو ایجاد ہونے میں کسی طرح کا بھی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ قادریت و چشتیت اور سہروردیت و نقشبندیت نہ عہدِ رسالت ہی میں موجود تھی اور نہ زمانۂ خیر القرون ہی میں کہیں ان کا نام و نشان ملتا ہے۔ اور مزید براں یہ کہ یہ نسبتیں تنہا نہیں ہیں بلکہ ان کے پیچھے خانقاہی عقیدت و نیاز مندی کا ایک مستقل روایاتی تخیل بھی ہے جو نجد کی شریعت میں بجائے خود شرک سے کم نہیں ہے۔

"ایک طرف" یہ حالات ہیں اور دوسری طرف ماہر صاحب نے خوش عقیدہ مسلمانوں کے خلاف ایک مستقل محاذِ جنگ بھی قائم کر لیا ہے۔ چنانچہ اسی مورچے سے انھوں نے اگست ۱۹۶۵ء کے "فاران" میں اہلِ حق پر نہایت اوچھے ہتھیار سے حملہ کیا ہے۔ "بہت خرافات میں کھو گئی" کے عنوان سے انھوں نے جو مضمون لکھا ہے اس میں وہ ننگی تلوار لے کھڑے ہیں اور اپنے مجاہدین کو للکار رہے ہیں کہ "یہ وقت چشم پوشی کا نہیں ہے آگے بڑھو اور دشمن کا نام و نشان صفحۂ ہستی سے مٹا دو۔" زہر میں بجھے ہوئے قلم کا تیور دیکھنا ہو تو ذیل کے اقتباسات پڑھیے۔

> مسلمانوں میں جہاں جہاں عقیدت کا بیجا غلو پایا جاتا ہے وہاں مشرکوں اور بت پرستوں کی رسموں اور تیوہاروں سے مشابہ رسوم اور تیوہار اور ان کے عقائد سے ملتے جلتے عقیدے کسی نہ کسی طرح بار پا گئے ہیں۔
>
> (فاران اگست ۶۵ء ص ۱)

مذکورہ بالا عبارت میں جن مسلمانوں کی طرف اجمال و استعارہ میں اشارہ کیا گیا ہے اب واضح لفظوں میں ان کی نشاندہی ملاحظہ فرمائیے۔ دل کی کدورت کا زہر قلم کی نوک سے ٹپک رہا ہے۔

> مسلمانوں نے بزرگوں کی نذر و نیاز اور فاتحہ کی جو رسم اور طریقے نکال لئے ہیں کہ یہ بی بی کی صحنک ہے' یہ بو علی شاہ قلندر کی سہمنی نیاز ہے' یہ فلاں بزرگ کے نام کے کونڈے ہیں' یہ تبارک کی روٹیاں ہیں' یہ شب برات کا حلوہ ہے' یہ فلاں صاحب ولایت کا توشہ ہے' یہ گیارہویں کی نیاز' اور یہ چھٹی شریف کی فاتحہ ہے۔ اس قسم کی رسمیں اور طریقے ہندؤں

سرسید احمد خان نیچر نیچریت، منکرِ معجزات ... [illegible]
... [illegible]

... [illegible]
دیوبند ... [illegible] ... رشید احمد گنگوہی ... [illegible]

> پارسیوں، یہودیوں، عیسائیوں وغیرہ کے یہاں سے آئے ہیں۔ جن کو دین اور کارِ ثواب سمجھ لیا گیا ہے اور جن کے خلاف اہلِ بدعت ایک لفظ بھی سننا گوارا نہیں کرتے۔ (فاران ص ۲۱)

دیکھ رہے ہیں آپ ایک مخمور شرابی کی طرح قلم کی سرکشی کا عالم!

خوش عقیدہ مسلمانوں کا رشتہ کافروں اور بت پرستوں کے ساتھ جوڑتے ہوئے موصوف کو ذرا بھی قلق محسوس نہیں ہوا۔ دنیا کے ۹۵ فیصد مسلمانوں کو اس سے زیادہ سخت کوئی گالی نہیں دی جا سکتی کہ جو روایت و تہذیب انھوں نے اپنے بزرگوں سے ورثے میں پائی اس کے متعلق یہ طعنہ دیا جائے کہ وہ ہندوؤں، عیسائیوں، پارسیوں اور یہودیوں کے گھر سے بھیک میں ملی ہے۔ گویا اب ہم اپنے اسلام میں مخلص نہیں رہے بلکہ منافقین کے کردار کے حامل ہوتے ہیں اور معاذ اللہ ہم نے کعبے سے اپنا رشتہ توڑ کر کلیسا اور بت خانے سے ناطہ جوڑ لیا ہے۔

اتنی سخت گالیوں کے بعد بھی موصوف کی آتشِ غیظ سرد نہیں ہوئی اب وہ خوش عقیدہ مسلمانوں کے خلاف اپنے مجاہدین کو للکارتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> بعض علماء اپنے مسلک کی کھل کر ڈنکے کی چوٹ پر تبلیغ کرتے ہیں مگر علماء اور واعظین، اس مسلک کے مخالف ہیں وہ کچھ تو رواداری اور اختلاف کے خوف سے اور کچھ اس وجہ سے کہ عوام مسلمانوں میں ان کی ہردلعزیزی اور مقبولیت کو ٹھیس لگے گی ان بدعات و خرافات کی اپنے مواعظ اور تقریروں میں تردید نہیں کرتے۔ (فاران ص ۲۱)

ہے یہودیوں کی عبادت گاہیں ہیں اور مسلمانوں کی مسجدیں — یہ واشگاف ... [illegible]
... [illegible] ... اور مسلمان
... — مسلمان عبادت کرتے ہیں اور ہندو پوجا پاٹ کرتے ہیں —

اہلِ حق کے خلاف تلواریں بے نیام کرنے کے لئے اب عذابِ آخرت کی دھمکی کا انداز ملاحظہ فرمائیں۔

> توحید و سنت کی اشاعت و تبلیغ اور بدعت و شرک کی تردید کی ذمہ داری ہر اہلِ ایمان پر عائد ہوتی ہے۔ جس سے جو کچھ ہو سکتا ہو اسے کرنا چاہئے ورنہ ان مسائل میں سکوت و گریز اور صرفِ نظر اور چشم پوشی کی اللہ تعالیٰ کے یہاں جوابدہی کرنی ہوگی۔ (فاران ص ۴۳)

عشق و ایمان کے مظاہر اور بزرگانِ اسلام کی متوارث روایات کے خلاف ماہر جماعت کے دل کا غیظ سمجھنے کے لئے اتنے اقتباسات بھی بہت کافی ہیں۔

"جماعت اسلامی" اپنے کردار کے آئینے میں

ہفت روزہ "شہاب" لاہور کے ایک شمارے میں "جماعت اسلامی پاکستان" کے محکمۂ نشر و اشاعت کے سربراہ مسٹر نعیم صدیقی کی ایک تقریر کا اقتباس شائع ہوا ہے۔ موصوف ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

> اللہ تعالیٰ نے ہم جیسے ناچیز اور کوتاہ کار لوگوں کو اس دور اور اس زمانے میں اپنے دین کی خدمت اور اس کی علمبرداری کیلئے منتخب فرمایا ہے۔ قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ انبیاء کو اختیار فرما لیتا ہے اسی طرح کچھ لوگوں کو اپنے خاص کام کے لئے چھانٹ لیتا ہے اور ان کے لئے کوئی سعادت مقرر فرما دیتا ہے۔ (شہاب ۲ر دسمبر ۶۲ء)

اب ان چھٹے ہوئے سعادت مندوں کا کردار ملاحظہ فرمائیے۔ اسی "شہاب" لاہور کے تازہ شمارے میں حاجی سردار محمد شکر ٹبری مستاد دواخانہ کرشن نگر لاہور کا ایک بیان شائع ہوا ہے۔ ذیل میں اس کا متن پڑھئے۔

> گزشتہ عید قرباں کے موقعہ پر مستاد دواخانہ کرشن نگر لاہور کے لیے گزشتہ برسوں کی طرح قربانی کی کھالیں جمع کی گئیں اور انھیں فروخت کرنے کے لیے اکبری منڈی لیجایا گیا۔
>
> "جماعت اسلامی کے ایک ممتاز کارکن نے جو ہمارے ساتھ گئے تھے کہا "کہ کھالوں کو اگر جماعت اسلامی کے اسٹاک میں جمع کر دو تو رقم زیادہ وصول ہوگی"۔ ہم نے اعتماد کرتے ہوئے ایسا ہی کیا۔ لیکن وہ کئی روز تک کہتے رہے "کہ کھالیں ابھی تک نہیں بکیں"۔ پھر پوچھا تو کہنے لگے "میں نے رقم کو بینک میں جمع کرا دیا ہے"۔ چند روز کے بعد معلوم ہوا کہ اپنے نام پر ایک نیا شفاخانہ سنت نگر میں انھوں نے کھول لیا ہے۔
>
> "شہاب" لاہور ۱۵ جنوری ۶۹ء

یہ کردار اُس جماعت کا ہے جسے دنیائے نوے کروڑ مسلمانوں میں سے خدا نے اپنے خاص کام کے لیے چن لیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ جماعتوں کو اپنی منقبت خوانی اور قصائد کی تصنیف سے نہیں روکا جا سکتا لیکن جماعت اسلامی کے سربراہوں سے یہ اپنی گذارش ضرور کروں گا کہ اس دور پرفتن میں "الہام" کی راہ سے اسلام کو جتنا نقصان پہنچایا گیا ہے وہی بہت ہے۔ اب ازراہ کرم مسلم معاشرہ کو کسی نئے "فرزند" کے لیے چ[illegible]

ہموار مت کیجئے۔

"جماعت اسلامی" کا عقیدۂ توحید

"جماعت اسلامی کے بانی اور ہند و پاک میں جماعت کے غیر منقسم مرکز فکر مولانا مودودی کے نشتر قلم سے جہاں ملت اسلام کے سیکڑوں مسلمات مجروح ہوچکے ہیں، انھوں نے عقیدۂ توحید پر بھی ایک جگہ قلم کی تلوار اٹھائی ہے۔ ذیل میں عقیدۂ توحید کی ایک خوں آلود تصویر ملاحظہ فرمائیے۔ تحریر فرماتے ہیں۔

> انسان خدا کا قائل یا منکر، خدا کو سجدہ کرتا ہو یا پتھر کو، خدا کی پوجا کرتا ہو یا غیر خدا کی، جب وہ قانون فطرت پر چل رہا ہے اور اس کے قانون کے تحت ہی زندہ ہے تو لامحالہ وہ بغیر جانے بوجھے بلا عمد واختیار طوعاً وکرہاً خدا ہی کی تسبیح کر رہا ہے، اسی کی عبادت میں لگا ہوا ہے۔
>
> "(تفہیمات جلد اول صـ۳۲)"

اس مقام پر مولانا مودودی نے اتنی سخت ٹھوکر کھائی ہے کہ ان کی تحریر فکر شاید ہی کبھی پلٹنے کا موقع دے۔ انھوں نے تسبیح اور عبادت دونوں کو ایک ہی مفہوم میں استعمال کیا ہے حالانکہ دونوں کے مفہوم میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

"تسبیح کہتے ہیں مکان وحدوث کے نقائص سے خدا کی پاکی کا اظہار کرنا۔

(دستور العلماء، کتاب التعریفات للجرجانی)"

اور عبادت کہتے ہیں خدا کی تعظیم و خوشنودی کے لیے کوئی کام کرنا۔

(دستور العلماء، تلویح۔ کتاب التعریفات للجرجانی)

اس لحاظ سے اس کا وجود، اس کی تمام نقل و حرکت، اس کا ہر قول و فعل ہر وقت خدا کی تسبیح میں ہے کہ اس کی پوری ہستی خدا کے امکان و حدوث سے پاک ہونے کی ایک خاموش شہادت ہے۔ چنانچہ مفسرین اسلام نے قرآن کی اس آیت کو اسی مفہوم پر محمول کیا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُسَبِّحُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	کیا تم نہیں دیکھتے کہ زمین و آسمان میں جتنی مخلوق ہے وہ خدا کی تسبیح میں لگی ہوئی ہے۔

حضرت علامہ بیضاوی علیہ الرحمۃ والرضوان اس آیت کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اپنے مرتبۂ ذات میں زمین و آسمان کی ہر چیز خدا کی تسبیح کرتی ہے یعنی زبان حال سے اپنے خالق کے پاک و منزہ ہونے کی ہر وقت شہادت دیتی ہے

اصطلاح شرع میں اس تسبیح کا نام "تسبیح قہری" ہے۔ تسبیح کا یہ مفہوم انسان کی ہر حالت پر صادق آتا ہے۔ عام ازیں کہ وہ کفر کی حالت میں رہے یا ایمان کی حالت میں وہ بلا قصد و اختیار ہر وقت خدا کی تسبیح میں مشغول ہے۔ بخلاف عبادت کے کہ اس کا مفہوم انسان کی صرف اسی حالت پر صادق آتا ہے جبکہ وہ خدا کی تعظیم و خوشنودی کے لیے اپنی خواہش نفس کے خلاف کوئی کام کر رہا ہو۔

ظاہر ہے کہ کفر و انکار اور پتھروں کے آگے سجدہ ریز ہونے کی حالتوں میں خدا کی تعظیم و خوشنودی کا قطعاً کوئی تصور نہیں ہو سکتا۔ اس لیے بت پوجنے والے پتھروں کے آگے سجدہ کرنے والے، اور خدا کے ساتھ کفر کرنے والے کے متعلق یہ کہنا ہرگز

صحیح نہیں ہے کہ وہ ان حالتوں میں بھی خدا کی عبادت کر رہا ہے جس طرح دو ضدوں کا ایک محل میں جمع ہونا محال ہے اسی طرح اس دعوے کی صحت بھی قطعاً نا ممکن ہے۔

علاوہ ازیں مولانا مودودی کا یہ نظریہ قرآن کی ان بیشمار آیتوں سے متصادم ہے جن میں مشرکین اور اصنام کے پرستاروں کے متعلق برملا کہا گیا ہے کہ وہ خدا کی عبادت نہیں کرتے شیطان کی عبادت کرتے ہیں۔ انھوں نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود ٹھہرا لیا ہے۔

اور سورہ کافرون میں تو بار بار اسی مفہوم کی تکرار ہے کہ تم جس کی عبادت کرتے ہو ہم اس کی عبادت نہیں کرتے، ہم جس کے پرستار ہیں تم اس کے پرستار نہیں ہو۔ بقول مولانا مودودی کے اگر بت کا پجاری بھی خدا ہی کا عبادت گزار ہے تو قرآن نے اتنی شدت کے ساتھ اس کا انکار کیوں کیا ہے۔

بہر حال یہ فن بھی کچھ کم حیرت انگیز نہیں ہے کہ ایک ہی جنبش قلم میں مولانا موصوف نے توحید و ایمان کی بساط الٹ کر رکھ دی ہے۔ اور روشنائی کے صرف ایک قطرے سے کم و بیش ایک لاکھ ۲۴ ہزار انبیائے کرام کی پوری تاریخ مسخ کر ڈالی ہے۔ جب اپنا ہی ذہن سب کچھ ٹھہرا تو قرآن کی آیات اور رسول کے فرمودات کی کون پروا کرتا ہے۔ سچ کہا ہے کسی عارف حق نے کہ علم کا غلط پندار ایک ایسا مہلک آزار ہے جس کی ہلاکتوں سے نجات پانا بہت مشکل ہے۔

نگاہ پر بوجھ نہ ہو تو مولانا کے ذہن رسا کا ایک اور عبرتناک تماشہ آپ کے سامنے پیش کروں۔ یہاں تو مولانا نے عبادت و توحید کے مفہوم میں اتنی وسعت پیدا کر دی ہے کہ شرک کو عبادت، بت پرستی کو خدا پرستی اور مشرک کو خدا کا

بندہ پرستار مانتے ہوئے بھی نہ ان کا عقیدۂ توحید مجروح ہوا ہے اور نہ عبادت کے مفہوم پر کوئی حرف آیا ہے۔ لیکن یہی مولانا مودودی انبیاء، اولیاء کے ان عقیدت مند مسلمانوں کو جو ظاہر سے باطن تک زندگی کے تمام مراحل میں مومن ہیں، موحد ہیں، عابد اور کلمہ گو ہیں، بیدریغ مشرک سمجھتے ہیں مولانا کی نظر میں نہ ان کا کلمہ کلمہ ہے نہ ان کی عبادت، عبادت ہے نہ ان کی توحید، توحید ہے اور نہ ان کا اسلام، اسلام ہے۔

ذرا فکر کی نیرنگی ملاحظہ فرمایئے کہ کوئی مشرک ہو کر بھی خدا کا بندہ پرستار ہے اور وہ خدا کے بندہ پرستار ہو کر بھی مشرک ہیں یعنی کوئی مشرک ہو کر بھی مشرک نہیں اور وہ مومن ہو کر بھی مشرک ہیں۔

ثبوت کے لئے مولانا کی مندرجہ ذیل تحریریں ملاحظہ فرمایئے۔

> انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کے اثر سے جہاں لوگ اللہ واحد و قہار کی خدائی کے قائل ہو گئے وہاں سے خداؤں کی دوسری اقسام تو رخصت ہو گئیں مگر انبیاء، اولیاء، شہداء، صالحین، مجاذیب، اقطاب، ابدال، علماء، مشائخ اور ظل اللہوں کی خدائی پھر بھی کسی نہ کسی طرح عقائد میں اپنی جگہ نکالتی رہی۔ جاہل دماغوں نے مشرکین کے خداؤں کو چھوڑ کر ان نیک بندوں کو خدا بنا لیا۔
>
> (تجدید و احیائے دین صفحہ ۱۱)

آگے چل کر پوری وضاحت کے ساتھ اس مشرک طبقے کی نشاندہی ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

س ۹ و س ۱۰ اس میں مولوی مودودی کا کوئی قصور نہیں ہے بلکہ یہ اس کے خارجی عقیدے کی روشن دلیل ہے۔ خوارج کا یہ عقیدہ ہے اولاً جس طرح اس نے تسبیح تہلیل اور عبادت میں فرق نہیں کیا تو یہ بھی خوارج کی خصوصیت

> مشرکانہ پوجا پاٹ کی جگہ فاتحہ، زیارت، نذر، نیاز، عرس، چڑھاوے، نشان، علم، تعزیہ اور اسی قسم کے دوسرے مذہبی اعمال کی ایک نئی شریعت تصنیف کر لی گئی۔
> (تجدید ص ۱۱)

اسی کتاب میں دوسرے مقام پر اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ گل افشانی فرماتے ہیں۔

> جاہلیت مشرکانہ نے عوام پر حملہ کیا اور توحید سے ہٹا کر انکو ضلالت کی بیشمار راہوں میں بھٹکا دیا۔ ایک صریح بت پرستی تو نہ ہو سکی باقی کوئی قسم شرک کی ایسی نہ رہی جس نے مسلمانوں میں رواج نہ پایا ہو۔
> پرانی جاہلی قوم کے جو لوگ اسلام میں داخل ہوئے وہ اپنے ساتھ بہت سے مشرکانہ تصورات لئے چلے آئے اور یہاں انکو صرف اتنی تکلیف کرنی پڑی کہ پرانے معبودوں کی جگہ بزرگان اسلام میں سے کچھ معبود تلاش کر لیں پرانے معبدوں (بتخانوں) کی جگہ مقابر اولیاء سے کام لیں۔
> (تجدید و احیاء ص ۲۵)

مطلق العنان فرماں رواؤں کی طرح ذرا قلم کا طغیان ملاحظہ فرمائیے! بہتان و افتراء کو واقعہ کا جامہ پہنا دینا اگر کوئی ہنر ہے تو میں اعتراف کرتا ہوں کہ مولانا اس ہنر میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ دنیا کا کونسا مسلمان ہے؟ انبیاء و اولیاء کو اپنا معبود سمجھتا ہے اور اصنام کی جگہ قبروں کی پرستش کرتا ہے اس طرح کا کوئی فرضی مسلمان مولانا مودودی کی دنیائے خیال میں ہو تو ہو

روزانہ قرآن حکیم کی کثرت سے تلاوت کریں

واقعات کی دنیا میں ہرگز نہیں ہے۔

خدا کا محبوب و مقرب بندہ سمجھ کر بزرگوں کے مقابر کی زیارت اور روحانی استفاضہ اور مقدس ہستیوں کے آثار کا تحفظ اگر مولانا کے نزدیک بت پرستی ہے تو میں عرض کروں گا کہ ذرا پیچھے پلٹ کر دیکھئے یہ جاہلیت مشرکانہ کی نہیں خود اہل اسلام کی یادگار ہے۔ خود قرآن نے مقام ابراہیم یعنی نقش کف پائے خلیل علیہ السلام کو سجدہ گاہ زمانہ اور صفا و مروہ کو سعی بنانے کا حکم دیکر تعظیم آثار کے عقیدے پر اپنی مہر توثیق ثبت فرمادی ہے۔

پھر جن مزارات و مقابر کو مولانا مودودی صنم خانے سے تعبیر کرتے ہیں میں ان کے متعلق پوچھنا چاہتا ہوں کہ وہ آئے کہاں سے؟ ظاہر ہے کہ روضۂ رسول صاحب لولاک ہو یا مزارات اہل بیت و صحابہ، اولیائے عرب کے مقابر شریفہ ہوں یا عجم کے، یہ کچھ آج نہیں بنالئے گئے ہیں بلکہ عہد صحابہ سے لیکر ائمہ مجتہدین مشائخ و محدثین اور فقہائے اسلام کے دور تک، جس دن کسی مقرب خداوندی کو سپرد خاک کیا گیا اسی دن سے اس کے مدفن کی حفاظت شروع ہوگئی۔ اسکی تربت کے نشانات کو باقی رکھنے کے لئے اردگرد صالحین کا پہرہ بیٹھ گیا۔ یہانتک کے اس مزار کی حفاظت و آزادی کا اہتمام قرن اول سے شروع ہو کر بعد میں آنے والے صلحائے امت تک ہر قابل اعتماد دور میں ہوتا رہا۔

عمائدین اسلام کی مربوط، مسلسل اور متوارث جدوجہد کے بعد کہیں جاکر آج ہمیں عہد قدیم کے ایک مزار کی زیارت نصیب ہوئی۔ اگر یہ زیارت اور روحانی استفاضہ بت پرستی تھی تو بتایا جائے کہ چودہ سو برس کی طویل مدت تک

اس مزار کو باقی رکھنے کے لیے ایک عظیم اہتمام کا مقصد کیا تھا اور کیوں تھا۔ کروڑوں مقابر اہل اسلام کی طرح اس کے نشانات بھی مٹ گئے ہوتے تو جذبۂ عقیدت کا یہ سارا ہنگامۂ شوق وجود ہی میں کیوں آتا۔

اس لیے ماننا پڑے گا کہ اللہ والوں کا مزار چودہ سو برس کی اسلامی روایت کا ایک محفوظ اور قابل فخر سرمایہ ہے۔ جو ان روایات پر زبان طعن دراز کرتا ہے وہ پوری تاریخ اسلام سے نہ صرف پوری دنیا کو بدگمان کرانا چاہتا ہے بلکہ یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ ان سارے ادوار میں توحید خالص کے اقتدار کا ایک دور بھی اسلام پر نہیں گزرا ہے۔

پھر جاہلیت مشرکانہ کہہ کر ان روایات پر جو حملہ آور ہوتا ہے اس کا حملہ عوام پر نہیں بلکہ خواص پر ہے۔ دینی تاریخ کے لاکھوں بکھرے ہوئے اوراق پر آج بھی ہر دور کے اسلام کے مقتدر پیشواؤں کی ایک تھکا دینے والی فہرست ہمارے سامنے ہے جنھوں نے مزارات انبیاء و اولیاء کی زیارتیں کیں، اُن کے جوار میں سالہا سال تک معتکف رہے اور ان سے روحانی استفادہ کیا۔

اگر اسی کا نام شرک ہے تو مجھے کہنے دیا جائے کہ اسلامی تاریخ کے سارے طبقات علماء و مشائخ کو مشرک تسلیم کرنے کی بہ نسبت یہ تسلیم کرنا زیادہ آسان اور قرین قیاس ہے کہ مولانا مودودی اپنی اس رائے میں قطعاً جادۂ حق سے ہٹے ہوئے ہیں۔ ایک انسان یا چند انسانوں کی فکری گمراہی ممکن ہی نہیں بلکہ امر واقعہ ہے لیکن کروڑوں انسانوں کی مسلسل متوارث اور مربوط گمراہی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

اور پھر مولانا مودودی جنھوں نے اپنی بیشمار تحریروں کی روشنی میں ماضی کے رجال علم و تقویٰ سے اپنا رشتۂ اعتماد منقطع کر لیا ہے وہ انکی دینی حیثیت مجروح کرنے کے لیے اس سے بھی زیادہ کوئی سنگین الزام تراش لیں تو ان سے بعید ہی کیا ہے؟ وہ قطعاً ایسا کر سکتے ہیں بلکہ کرتے رہتے ہیں لیکن جو لوگ ماضی کے رجال علم و تقویٰ پر مکمل اعتماد کرتے ہیں اور رسالت کے فیضان سے بہرہ مند ہونے کے لیے انھیں درمیان کی لازمی کڑی سمجھتے ہیں وہ ہرگز اس طرزِ فکر کو برداشت نہیں کریں گے۔

کربلا کے بعد دوسرا حملہ

مراسلہ:

از جناب شکیل احمد صدیقی۔ ہگلو رسٹی

محترمی ایڈیٹر صاحب "جام نور کلکتہ" ——— السلام علیکم

"جام نور" کے کئی شمارے نظر سے گزرے۔ اپنے گہرے تاثرات کے اظہار کے لیے یہ دعائے مخلصانہ بہت کافی ہے کہ خدا اسے نظر بد سے بچائے۔ "شہید کربلا نمبر" کے رحانات سے ہمارے شہر کے مذہبی حلقوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی ہے۔ اور ابتک اس کی مدت کاٹے نہیں کٹ رہی ہے۔ ایک ضروری گذارش یہ ہے کہ تمہارے یہاں کتاب "خلافتِ معاویہ و یزید اور اس کی حمایت میں دیو بند کے رسالے پڑھ کر

... اک ذہنی گمراہی میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ محمود عباسی نے ... حوالوں سے واقعۂ کربلا کی جو صحیح تصویر پیش کی ہے اسے پڑھنے کے بعد محرم ... ہنگامۂ عقیدت بالکل لغو اور گمراہ کن معلوم ہوتا ہے۔

اس لئے آپ شہید کربلا نمبر میں اس کتاب سے پیدا شدہ شکوک و شبہات کا ازالہ فرمادیں تو عین نوازش ہوگی۔ اور ہمیں امید ہے کہ اس عظیم خدمت کے لئے آپ عند اللہ ماجور ہوں گے۔

جواب نامہ

مکرمی! وعلیکم السلام ورحمۃ و برکاتہٗ

کس دل آزار کتاب کا آپ نے نام لیا۔ خدا اس کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے جس زمانے میں یہ کتاب شائع ہوئی تھی اسی زمانے میں علمائے حق نے اس کی سطر سطر کی دھجیاں اڑا دیں۔ ترتیب مقدمات، طریقۂ استدلال، نتائج کے استخراج اور حوالۂ کتب میں مصنف کی صریح بد دیانتی، شرمناک خیانت اور حسین دشمنی کا سارا پردہ فاش کر کے رکھ دیا۔ اس کے بعد یہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ وہ کتاب کس پائے کی ہے اور مسلمانوں کو اس پر اعتماد کرنا چاہئے یا نہیں؟ تعجب ہے کہ لوگوں کے حافظے میں اس کی گمراہ کن یاد تو ابتک باقی ہے لیکن اس کی تردید میں کئی ہزار صفحات پر مشتمل جو لٹریچر شائع ہوا تھا اس کا کوئی ذکر نہیں۔

۱ بہر حال اب اسکی تردید میں قلم اٹھانے کی اگرچہ چنداں ضرورت باقی

نہیں ہے لیکن آپ کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے اس کے چند اہم گوشوں پر ایک سنجیدہ اور علمی تنقید سپردِ قلم کر رہا ہوں مجھے امید ہے کہ اس کا مطالعہ اس کتاب سے پیدا شدہ غلط فہمیوں کے ازالے کے لیے مفید ثابت ہوگا

پوری کتاب میں محمود عباسی صاحب کی حیثیت یزید کی طرف سے صفائی کے وکیل اور امام عالیمقام کے حق میں ایک فریق مقابل کی ہے وہ کربلا کے خونیں واقعات کی کوئی ذمہ داری یزید یا اُس کے اہل کار دں کے سر نہیں ڈالنا چاہتے۔ انھیں اس بات پر اصرار ہے کہ حادثۂ کربلا کا تمام تر ذمہ دار خود حسینی قافلہ ہے۔ شہزادۂ رسول کو حکومت واقتدار کا حرص کربلا کے میدان تک لے گیا اور انہی کے کیمپ کے چند آدمیوں کی پہل پر اچانک یہ حادثہ پیش آیا۔

اپنے باطل مدعا کے لیے تاریخ کی جن کتابوں کا بار بار حوالہ دیکر انھوں نے عوام پر اپنی تاریخ دانی کی دھونس جمائی ہے اس میں علامہ ابن جریر کی البدایہ والنہایہ اور علامہ ابن خلدون کا مقدمۂ تاریخ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

آج کی صحبت میں اس حقیقت کا نقاب الٹ کر ہم قارئین کو محوِ حیرت بنا دینا چاہتے ہیں کہ تاریخ کی ساری کتابوں میں عباسی صاحب کے منہ پر زور دار طمانچے کے لیے سب سے زیادہ مواد انہی دو کتابوں میں موجود ہے چنانچہ البدایہ والنہایہ کے مصنف اپنی کتاب میں معرکۂ کربلا کی داستان کا آغاز کرتے ہوئے

یہ سرخی قائم کرتے ہیں۔

وھذہ صفة مقتلہ رضی اللہ عنہ ماخوذ من کلام ائمة ھذا الشان لا کما یزعمہ اھل التشیع من الکذب الصریح والبھتان (ج ۸ ص ۱۷۲)

یہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعۂ شہادت کی سرگزشت ہے جو اس فن کے ائمۂ کرام کی روایات سے ماخوذ ہے شیعوں نے واقعات کربلا کے بیان میں جس طرح کے افتراء و غلط بیانی سے کام لیا ہے یہ کتاب اس طرح کے نقائص سے پاک ہے۔

اس عبارت سے کتاب کی ثقاہت اور اس کے درجۂ اعتبار کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کیونکہ عباسی صاحب نے ورق ورق پر شیعی روایات اور موضوع روایات جیسے الفاظ کا حربہ استعمال کر کے ہر اس روایت اور ہر اس واقعہ کا انکار کر دیا ہے جس سے یزید اور اس کے ساتھیوں کے کردار پر کسی طرح کی چوٹ پڑتی ہے۔

ایک اہم ترین سوال جو معرکۂ کربلا کی پوری داستان کا جوہر ہے اور جس کی اساس پر موجودہ تاریخ کا ایوان کھڑا ہے یہ ہے کہ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کا قاتل کون ہے۔ سیکڑوں صفحات سیاہ کر ڈالنے کے باوجود عباسی صاحب کا قلم اس حقیقت کے چہرے سے نقاب نہیں اٹھا سکا ہے کہ امام حسین اور

اہل بیت کے قتل و خونریزی میں کس کا ہاتھ ہے۔

تاریخ کے طالب علم کا ذہن اور بھی الجھ کر رہ جاتا ہے جب وہ عباسی صاحب کی کتاب میں یہ پڑھتا ہے کہ نہ یزید نے قتل کا حکم دیا اور نہ اس سے راضی تھا نہ ابن زیاد کے دامن پر کوئی داغ ہے اور نہ ابن سعد کی تلوار پر کوئی دھبہ! یہاں پہونچ کر ذہن کی سطح پر بار بار یہ سوال ابھرتا ہے کہ جب شروع سے لیکر اخیر تک سبھی سب بے گناہ اور بے تعلق ہیں تو پھر کربلا کی خاک پر حسینی قافلے کے بہتر مسافروں کی لاشوں کا جو ڈھیر ہمیں نظر آتا ہے آخر وہ کیونکر وجود میں آیا ــــ میرا خیال ہے کہ عباسی صاحب نے اپنی کتاب میں جہاں کذب و افترا اور دجل و فریب کا ایک انبار جمع کر لیا ہے وہاں اتنے جھوٹ کا اور اضافہ کر لیتے کہ معاذ اللہ کربلا میں پہونچ کر حسینی قافلے نے خودکشی کر لی تو ساری مشکل حل ہو جاتی اور یزید کے دامن کا جو غبار وہ آج اپنے چہرے پر مل رہے ہیں اس بلا وجہ زحمت کی نوبت ہی نہ آتی۔

یزید کی حمایت کے جذبے میں وہ یہ نکتہ بھی نظر انداز کر گئے کہ قاتل کی طرف سے کوئی خواہ کتنی ہی صفائی پیش کرے لیکن قاتل کا ضمیر خود اپنی بیگناہی پر کبھی مطمئن نہیں ہوتا۔ سفاکی اور قہر و جبر کا نشہ اتر جانے کے بعد نہ صرف یہ کہ جرم کا احساس ملامت کرتا ہے بلکہ ندامت و پشیمانی اور اندیشۂ عقوبت ہمیشہ کے لئے ایک آزار بن جاتا ہے۔ علامہ ابن کثیر نے اپنی کتاب میں یزید کی نفسیاتی واردات کی جو حالت بیان کی ہے وہ بالکل اسی کا آئینہ ہے۔

ارشاد فرماتے ہیں۔

لما قتل ابن زیاد الحسین ومن معه بعث برؤسهم الی یزید فسر بقتله اولا وحسنت بذالک منزلة ابن زیاد عنده ثم لم یلبث الا قلیلا حتی ندم۔

(البدایہ ج ۸ ص ۲۳۲)

جب ابن زیاد نے امام حسین اور ان کے ساتھیوں کو شہید کیا اور ان کے مقتول سروں کو یزید کے پاس بھیجا تو ابتداءً یزید نے امام حسین کے قتل پر اپنی خوشی کا اظہار کیا اور ابن زیاد کی قدر و منزلت اس کی نگاہ میں بڑھ گئی۔ پھر تھوڑی دنوں کے بعد وہ اپنے کرتوت پر نادم و شرمسار ہوا۔

اور پھر جب اندیشۂ عقوبت اور ندامت و پشیمانی کی شدت اور بڑھ گئی اور ابن زیاد کے مظالم اور قتل حسین کے نتائج و عواقب کا صحیح اندازہ ہوا تو یزید کف حسرت ملنے لگا اور مستقبل کے وحشتناک نتائج کے تصور سے خوفزدہ ہوکر ابن زیاد کو کوسنے لگا۔ علامہ ابن کثیر نے اس کے جو الفاظ نقل کئے ہیں وہ یہ ہیں:

فبغضنی بقتله الی المسلمین وزرع فی قلوبهم العداوة فابغضنی البر والفاجر بما استعظم الناس من قتلی حسینا مالی ولابن مرجانه (البدایہ ج ۸ ص ۲۳۲)

اس نے حسین کو قتل کرکے مجھے مسلمانوں کی نظر میں دشمن بنادیا

اور ان کے دلوں میں میرے خلاف نفرت و اشتعال کا بیج بو دیا۔ اب مجھے ہر نیک و بد اپنے تئیں مبغوض سمجھے گا۔ کیونکہ عام لوگوں کی نظروں میں میرا حسین کو قتل کرنا بہت بڑی شقاوت ہے۔ صد حیف میرے اور ابن مرجانہؒ (ابن زیاد) کے حال پر۔

انصاف کیجئے خون ناحق کے اس صاف و صریح اعتراف کے بعد بھی یزید کی بریت و صفائی میں کسی تاویل کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔ "جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستین کا" یہ مصرع شاید اسی موقع کے لئے شاعر کے ذہن میں آیا تھا۔

عباسی صاحب کی اس کتاب میں جو بات سب سے زیادہ دلخراش ہے وہ یہ کہ ان کی بحث کا دائرہ یزید کی بریت و صفائی تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ ان کا مقصد یزید کے مقابلے میں سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نیچا دکھانا اور نہیں خطاکار و گنہگار ٹھہرانا ہے۔ چنانچہ انھوں نے انتہائی شرمناک جسارت کے ساتھ شہزادہ رسول امام عالی مقام کی ذات پر بغاوت و خروج کا الزام عائد کیا ہے اور نہایت خوشی کے ساتھ اس کے آگے پیچھے باغیوں کے بارے میں وعید و عقوبت و سزا والی حدیثوں کا انبار جمع کر دیا ہے تاکہ غیر شعوری طور پر پڑھنے والا یہ محسوس کرے کہ ان ساری حدیثوں کا مصداق امام حسین کی ذات ہے اور اس کے نتیجے میں امام کی عظمت اگر لوح قلب سے محو نہ ہو تو کم از کم مجروح ضرور ہو جائے۔

بلا خوف تردید کہہ رہا ہوں کہ عباسی صاحب نے اپنی پوری کتاب ائمہ اسلام اور مسلم مورخین کے مسلک اور نقطۂ نظر سے آزاد ہو کر لکھی ہے۔ ان کا قلم تاریخی مسلمات کے تابع نہیں بلکہ پوری تاریخ کو انھوں نے اپنے قلم کے تابع کر لیا ہے جس واقعہ کا جہاں چاہا انکار کر دیا، جس روایت سے ذہن متفق نہیں ہوا اسے وضعی کہہ دیا، جو عبارت مدعا کے خلاف نظر آئی اسے غلط کہہ ڈالا۔ نہ قبول رد کا کوئی معیار ہے اور نہ انکار و اقرار کا کوئی ضابطہ! ایک بدست شرابی کی طرح قلم ہے کہ بہکتا پھر رہا ہے۔ ان حالات میں یہ کہنا قطعاً خلاف واقعہ نہیں ہے کہ عباسی صاحب نے سانحۂ کربلا کی تاریخ لکھی نہیں، بنائی ہے۔

علم و تحقیق کے نازک ترین مراحل میں نیت کا اخلاص تو ایک لمحے کیلئے بھی ان کا شریک عمل نہیں ہے۔ ان کے قلم کی روشنی میں جذبات کا عنصر اتنا غالب ہو گیا ہے کہ بے لاگ تحقیق کا نام و نشان بھی کہیں نہیں ملتا۔ یزید کے جذبۂ حمایت میں جگہ جگہ انھوں نے ظن و تخمین اور وہم و قیاس کا جھوٹا سہارا لیکر جزم و یقین اور اذعان و اعتقاد کا دامن نہایت بیدردی کے ساتھ جھٹک دیا ہے۔

مثال کے طور پر علامہ ابن خلدون کے متعلق عباسی صاحب نے اپنے دیباچے میں لکھا ہے۔

> ایک منفرد مثال علامہ ابن خلدون کی ہے جنھوں نے اپنے شہرۂ آفاق مقدمۂ تاریخ میں بعض مشہور وضعی روایات کو نقد روایت سے پرکھنے کی کوشش کی اور نام نہاد مورخین کے بارے میں صاف کہا کہ تاریخ کو

> خرافات اور واہی روایات سے انھوں نے لتھیڑ دیا۔
> (خلافت معاویہ ویزید)

کربلا کی تاریخ پر قلم اٹھاتے وقت عباسی صاحب کی نیت اگر صاف ہوتی تو کم از کم یہ دیکھنے کی زحمت ضرور گوارا کرتے کہ خود ان کے معتمد مورخ علامہ ابن خلدون امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موقف اور یزید کی سیرت و کردار کے بارے میں کیا لکھتے ہیں۔

اس موضوع پر علامہ ابن خلدون کے مقدمہ کی یہ عبارت پڑھئے اور سر دھنئے۔ موصوف لکھتے ہیں۔

> واما الحسین فانہ لما ظہر فسق یزید عند الکافۃ من اہل عصرہ بعثت شیعۃ اہل البیت بالکوفۃ للحسین ان یاتیہم فیقوموا بامرہ فرائ الحسین ان الخروج علی یزید متعین من اجل فسقہ لاسیما من لہ القدرۃ علی ذالک وظنہا من نفسہ باہلیتہ وشوکتہ (مقدمہ ص۱)
>
> ## ترجمہ
>
> یعنی امام حسین کا معاملہ یہ ہے کہ یزید کا فسق وفجور جب تمام اہل زمانہ پر آشکار ہو گیا تو کوفہ کے محبین اہل بیت نے امام حسین سے درخواست کی کہ وہ کوفہ تشریف لائیں اور اپنا منصبی فریضہ ادا کریں۔ امام حسین نے بھی محسوس فرمایا کہ یزید کی نااہلیت اور اس کے فسق وفجور کی وجہ

ہے اس کے خلاف اقدام اپنی جگہ مقرر و ثابت ہو گیا ہے خاص کر اس شخص کے لئے جو اس امر کی اپنے اندر قدرت رکھتا ہو اور اپنے متعلق الحسین کا گمان تھا کہ وہ اس کام کے اہل ہیں اور انھیں اس کی قدرت حاصل ہے

کربلا میں امام کے ساتھ جو معرکہ قتل و عام پیش آیا اس کے متعلق علامہ کی یہ ایمان افروز عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

والحسین فیہا شہید مثاب و علی حق و اجتہاد
یعنی امام حسین اپنے واقعہ قتل میں شہید اور مستحق اجر و ثواب ہیں اپنے اقدام میں وہ حق پر اور یہ ان کا اجتہاد تھا۔

انصاف کیجئے! عباسی صاحب کے لئے امام عالی مقام کے اقدام کی صحت پر اس سے زیادہ مستند شہادت اور کیا ہو سکتی ہے! عباسی صاحب میں ذرا بھی علمی دیانت کی خو بو ہو تو وہ خود غور فرمائیں کہ کیا امام عادل کے خلاف بغاوت و خروج پر ثواب ملتا ہے اور اس راہ میں جو قتل کر دیا جائے کیا اسے شہید کہا جائے گا اور پھر کیا اس صراحت کے بعد بھی کہ " امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید کے خلاف اپنے اقدام میں حق پر تھے" کسی بحث کی گنجائش رہ جاتی ہے۔؟

اخیر میں علامہ نے ان لوگوں کے خیالات کا شدت کے ساتھ رد کیا ہے جو کہتے ہیں کہ امام حسین کے ساتھ یزید کا قتال و جدال فتنۂ بغاوت فرو کرنے کی جہت سے جائز تھا اور یزید نے معرکہ کربلا میں جو کچھ بھی کیا وہ اس کا شرعی حق تھا۔ ان خیالات کی تردید کرتے ہوئے علامہ تحریر فرماتے ہیں۔

وقد غلط القاضي ابو بكر ابن العربي المالكي في هذا فقال
في كتابه الذي سماه بالعواصم والقواصم ما معناه ان الحسين
قتل بشرع جده وهو غلط حملته عليه الغفلة عن اشتراط
الامام العادل ومن اعدل من الحسين في زمانه في امامته
وعدالته في قتال اهل الآراء اهـ (مقدمہ ابن خلدون ص۱۸۱)

ترجمہ

یعنی قاضی ابو بکر ابن عربی مالکی نے اپنی کتاب العواصم والقواصم میں
یہ کہہ کر سخت غلطی کی ہے کہ امام حسین اپنے نانا کی شریعت کے مطابق قتل
کئے گئے۔ غلطی کی وجہ یہ ہے کہ شریعت نے امام کے خلاف کھڑے ہونے والے
کے لئے قتل کی جو سزا تجویز کی ہے وہاں شرط یہ ہے کہ وہ امام عادل ہو مگر قاضی
صاحب نے اس شرط کو نظر انداز کر کے سخت ٹھوکر کھائی ہے۔ حالانکہ حسین
کے زمانے میں ملت کی امامت و سرداری کے لئے امام حسین سے زیادہ
عادل و کامل اور مستحق اور کون ہو سکتا ہے۔

یہ وہی قاضی ابو بکر ابن عربی ہیں جن کی کتاب العواصم والقواصم
کا حوالہ عباسی صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۵۲ پر بڑے شد و مد کے ساتھ پیش کیا ہے
لیکن ان کے معتمد مورخ علامہ ابن خلدون نے ان کے استدلال کی جس شان سے
دھجی اڑائی ہے اسے آپ نے بھی دیکھ لیا۔ تعجب ہے کہ اس کے باوجود عباسی صاحب

نے قاضی صاحب کے قول پر اعتماد کیا۔ لیکن یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اس طرح کی خیانت وتحریف اور علمی نقائص سے پوری کتاب مالا مال ہے۔

علامہ ابن خلدون کے بیان عباسی صاحب کی پیش کردہ ان تمام حدیثوں کا صحیح محمل بھی متعین ہوگیا جو امام المسلمین کے خلاف خروج وعدم سے متعلق عقوبت وسزا کی وعیدوں پر مشتمل ہیں۔ یعنی وہ تمام حدیثیں ان لوگوں کے بارے میں ہیں جو امام عادل کے خلاف خروج کریں یزید جیسے سلطان جابر کو ان حدیثوں کے دامن میں پناہ دینا ان حدیثوں کے مفہوم کو مسخ کرنا ہے۔

اب ذرا تاریخ کے آئینے میں یزید کی سیرت وکردار اور اس کے جور وستم کی شرمناک داستان ملاحظہ فرمایئے اور فیصلہ کیجئے کہ کیا ملت اسلامیہ کے ایک امام عادل کی یہی زندگی ہوتی ہے علامہ ابن کثیر اپنی مشہور کتاب البدایہ والنہایہ میں لکھتے ہیں۔ ناظرین کو یاد ہوگا کہ عباسی صاحب نے اپنی کتاب میں علامہ کی اس کتاب کا اکثر حوالہ دیا ہے۔

وقد روی ان یزید کان قد اشتہر بالمعازف وشرب الخمر والغناء، والصید، واتخاذ الغلمان والقیان، والکلاب والنکاح بین الکباش والدباب والقرود، وما من یوم الا یصبح فیہ مخموراً وکان یشد القرد علی فرس مسرجۃ بحبل ویسوق، ویلبس القرد قلانس الذھب وکذا لک الغلمان وکان یسابق۔

بین الخیل وکان اذا مات القرد حزن علیہ ۔

(البدایہ ج ۸ ص ۲۳۶)

ترجمہ

یعنی نقل و روایت سے ثابت ہے کہ یزید سرود و نغمہ ساز و راگ شراب نوشی اور سیر و شکار کے لئے اپنے زمانے میں بہت زیادہ مشہور تھا نوعمر لڑکوں، گانے والی دوشیزاؤں اور کتوں کو اپنے گرد جمع رکھتا تھا ۔ سینگ والے لڑاکا مینڈھوں، سانڈھوں اور بندروں کے درمیان لڑائی کا مقابلہ کرواتا تھا۔ ہر دن صبح کے وقت نشے میں مخمور رہتا تھا زین کسے ہوئے گھوڑوں پر بندروں کو اسی سے بندھوا دیتا تھا اور ادھر ادھر پھراتا تھا۔ بندروں اور نوعمر لڑکوں کو سونے کی ٹوپیاں پہنا کر گھوڑوں کے درمیان دوڑ کا مقابلہ کرواتا تھا۔ اور جب کوئی بندر مرجاتا تو اس کا سوگ مناتا تھا ۔

انصاف کیجئے! اسی کرتوت پر آج تیرہ سو برس کے بعد عباسی صاحب واویلا مچا رہے ہیں کہ امام حسین نے یزید کو ملت اسلامیہ کا امیر و خلیفہ کیوں نہیں تسلیم کیا ۔

عباسی صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۹۴ پر یزید کے خصائل محمودہ شمار کرانے کے لئے البدایہ کی جو نا تمام عبارت نقل کی ہے وہ اتنے ہی پر نہیں ختم ہو گئی ہے بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی ہے ۔

وکان فیه ایضا اقبال علی الشهوات وترک بعض الصلوٰت واماتتها فی غالب الاوقات ۔ (البدایہ ج ۸ ص ۲۳۰)

یعنی یزید کے اندر شہوتوں اور نفسانی خواہشات کا بہت زیادہ میلان تھا اور بعض نمازوں کے ترک اور اکثر اوقات انھیں نذر غفلت کر دینے کی عادت تھی ۔

یہاں تک تو عباسی صاحب کی کتاب کا ایک تنقیدی جائزہ تھا لیکن اب مسئلے کی اصل نوعیت آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں ۔ معرکۂ کربلا کی تاریخ میں سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صحیح موقف سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ آپ اصطلاحی امام المسلمین کی اہلیت و استحقاق کے سلسلے میں ایک اصولی بحث ذہن نشین کر لیں ۔ مثلاً علامہ ابن حزم اپنی مستند کتاب "المحلیٰ" میں ارشاد فرماتے ہیں ۔

وصفة الامام ان یکون مجتنبا للکبائر و مستترا بالصغائر عالما بما یخصه حسن السیاسة لان هذا الذی کلفه به ۔ (المحلیٰ ج ۹ ص ۳۶۲)

یعنی امام کی شان یہ ہے کہ وہ کبائر سے مکمل اجتناب کرے اور صغائر کا اظہار نہ کرے ۔ حسن سیاست اور تدبیر مملکت کی خصوصیات اچھی طرح جانتا ہو کیونکہ وہ انہی باتوں کا مکلف ہے ۔

اس کی چند سطروں کے بعد ایک اصولی بحث کا آغاز کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔

فان قام على الامام القرشي من هو خير منه او مثله او دونه
قوتلوا كلهم معه لما ذكرنا قبل الا ان يكون جائرا فان كان
جائرا فقام عليه مثله او دونه قوتلوا كلهم معه لما ذكرنا
قبل الا ان يكون جائرا. فان كان جائرا فقام عليه مثله
او دونه قوتل معه القائم لانه منكر زائد ظهر فان قام
عليه اعدل منه وجب ان يقاتل مع القائم لانه تغيير منكر.
(المحلی لابن حزم ج ۹ ص ۳۶۲)

ترجمہ

پس اگر قریشی امام کے خلاف ایسا شخص کھڑا ہو جو اس سے بہتر ہے یا اس کے مثل ہے یا اس سے کمتر ہے تو ایسی صورت میں چاہیے کہ سارے مسلمان متحد ہو کر اس کھڑے ہونے والے کے خلاف جنگ کریں الا یہ کہ وہ قریشی امام ظالم ہو۔ پس اگر امام ظالم ہو اور اس کے خلاف ایسا شخص کھڑا ہو جو ظلم و جور میں اس کے مثل ہے یا اس سے کمتر ہے تو ایسی صورت میں بھی سارے مسلمانوں کو متحد ہو کر اس کھڑے ہونے والے کے خلاف جنگ کرنی چاہیے کیونکہ وہ خود ظلم و جور اور شر و فساد کا حامل ہے اور اگر ایسا شخص کھڑا ہو جو امام ظالم کے مقابلے میں عادل اور نیکوکار ہو تو چاہیے کہ سارے مسلمان اس کے ساتھ ہو کر ظالم امام کے خلاف جنگ کریں۔ کیونکہ کھڑا ہونے والا شر کو مٹانے اور خیر کو فروغ دینے کے لیے کھڑا ہوا ہے۔

شر کو مٹانے ملت کی تطہیر کا سب سے مشکل کام ہے۔ اس راستے میں قہر و جبر اور ظلم و تشدد کی ایسی ایسی قیامتیں اٹھتی ہیں کہ ان کا مقابلہ کرنا سب کے بس کی بات نہیں ہے۔ یہ راہ صرف انہی مردان حق اور وفاداران سرفروش کی ہے جو اپنی ہتھیلی پر جان کا نذرانہ لیے ہوئے اپنے گھر سے نکلتے ہیں اور شریعت کے ناموس کے لیے سر کٹانا زندگی کی معراج سمجھتے ہیں۔

اسی حقیقت کی طرف سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس حدیث میں اشارہ فرمایا ہے۔

افضل الجهاد كلمة حق	سب سے بہتر جہاد وہ کلمۂ حق ہے
عند سلطان جائر۔	جو کسی ظالم بادشاہ کے سامنے کہا جائے

دوسری حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں۔

> من رأى منكم منكراً فليغيره بيده فان لم يستطع فبلسانه وان لم يستطع فبقلبه وذالك اضعف الايمان
>
> (ترمذی)
>
> تم میں سے جو شخص بھی کوئی برائی دیکھے تو اسے چاہیے کہ وہ اسے اپنے ہاتھ سے مٹا دے، اور اگر اس کی قدرت نہ ہو تو چاہیے کہ زبان سے اس کی مذمت کرے۔ اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو چاہیے کہ دل سے اسے برا سمجھے اور یہ ایمان کا سب سے آخری درجہ ہے۔

جس گھر سے دین کا چشمہ پھوٹا! دین کا چمن سرسبز و شاداب ہوا۔ دین کی تطہیر کی ذمہ داری بھی اسی پر سب سے زیادہ تھی۔ زمانہ گواہ ہے کہ وقت نے انھیں نہایت درد و کرب کے ساتھ پکارا اور نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ انھوں نے اس کی پکار کا جواب دیا۔ اور بلاریب وہ اس اعزاز کے مستحق تھے۔ عباسی کے معتمد مورخ علامہ ابن خلدون کی صراحت گزر چکی ہے کہ ملت کی امامت و قیادت کے لیے حسین کے زمانے میں حسین سے زیادہ عادل و کامل اور کون ہو سکتا تھا۔

کربلا کے پورے سفرنامے میں یہ حقیقت پوری طرح نمایاں ہے کہ یزیدی عہد حکومت کے مفاسد کی اصلاح اور ملت کی تطہیر ہی امام عالی مقام کا بنیادی نصب العین تھا۔ چنانچہ حر تمیمی کی حراست میں عذیب و قادسیہ کے راستے سے کربلا کی طرف پلٹتے وقت امام نے جو تاریخی خطبہ دیا تھا وہ آج بھی کتابوں میں محفوظ ہے۔ اقدام کا پس منظر سمجھنے کے لیے خطبے کا لفظ لفظ ضمانت ہے۔ ذیل میں اس کا ایک اقتباس پڑھیے اور ذہن کو گزشتہ مباحث کے ساتھ مستحضر رکھیے۔ امام نے اپنے قافلے کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

> ایھا الناس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من رأی سلطانا جائرا مستحلا لحرم اللہ ناکثا لعھد اللہ مخالفا لسنۃ رسول اللہ یعمل فی عباد اللہ بالاثم والعدوان فلم یغیر ما علیہ بفعل ولا قول

كان حقا على الله ان يدخله مدخله، الا وان هؤلاء قد لزموا طاعة الشيطان وتركوا طاعة الرحمن واظهروا الفساد وعطلوا الحدود واستأثروا بالفئ واحلوا حرام الله وحرموا حلاله وانا احق من غير.   (کامل ابن اثیر ج ۴ ص ۴۸)

ترجمہ

اے لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص کسی ظالم بادشاہ کو دیکھے کہ اس نے خدا کی حرام کردہ چیزوں کو حلال ٹھہرا لیا ہے، عہد الٰہی کو توڑ رہا ہے، سنت رسول کی مخالفت کر رہا ہے اور اللہ کے بندوں کے ساتھ ظلم و عدوان کا معاملہ کرتا ہے اور یہ ساری باتیں دیکھنے اور سننے کے بعد بھی وہ اپنے قول و عمل سے شر کو مٹا کر اپنا فرض پورا نہ کرے تو اللہ کا حق ہے کہ وہ اس کو اس کے ٹھکانے تک پہونچا دے۔

غور سے سنو! کہ ان یزیدیوں نے شیطان کی اطاعت کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے اور خدا کی بندگی کو چھوڑ رکھا ہے ان لوگوں نے ہر طرف بیدینی اور بدعملی کا فساد برپا کر دیا ہے اور شریعت کی تعزیرات کو معطل کر دیا ہے اور سرکاری مال کو اپنے ذاتی مفاد پر خرچ کر رہے ہیں۔ اور خدا کے حرام کو حلال اور اس کے حلال کو حرام

کر دیا ہے اور ان پر یزیدیوں کے شر کو مٹانے کا سب سے زیادہ استحقاق مجھے حاصل ہے۔

گذشتہ اوراق میں امام المسلمین کی اہلیت و استقلال کے جو شرائط اور ظالم بادشاہ کے خلاف اقدام کے جو اصول علامہ ابن حزم کی عبارت کے حوالے سے نقل کئے گئے ہیں اب ذرا اس کی اسپرٹ میں خطبے کے الفاظ پر غور کیجئے اور بے لاگ ہو کر انصاف کیجئے کہ کیا اب بھی یزید جیسے سلطان جابر اور نابکار شخص کے خلاف امام عالی مقام کے اقدام کو غلط کہا جا سکتا ہے اور کیا اب بھی انھیں اسلامی نظام حکومت کا باغی ٹھہرانے کے لئے علم و تحقیق اور دلیل و برہان کا کوئی ہلکا سا سہارا بھی مل سکتا ہے۔ اس طرح اعتقاد کو شقاوت و بدبختی کی مذموم جسارت تو کہہ سکتے ہیں لیکن علم و تحقیق کا تقاضا ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔

بحث کے خاتمے پر اس سوال کا جواب دینا ہم بہت ضروری سمجھتے ہیں کہ ان صحابۂ کرامؓ کے بارے میں ہم کیا عقیدہ رکھیں جنھوں نے یزید کے خلاف تطہیر ملت اور تغیر منکر کی مہم میں عملاً سرکار امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ساتھ نہیں دیا۔ اس سلسلے میں الگ سے کچھ کہنے کے بجائے علامہ ابن خلدون کا جواب نقل کر دینا ہم زیادہ مفید اور قابل اعتماد سمجھتے ہیں جسے انھوں نے اپنے مقدمہ میں نہایت وضاحت کے ساتھ سپرد قلم فرمایا ہے۔ علامہ ارشاد فرماتے ہیں۔

واما غیر الحسین من الصحابة الذین کانوا بالحجاز والشام والعراق ومن التابعین لھم فرأوا ان الخروج علی یزید وان کان فاسقا لا یجوز لما ینشا عنہ من الھرج والدماء فاقصروا عن ذالک ولم یتابعوا الحسین ولا انکروا علیہ ولا اثموہ لانہ مجتھد وھو اسوۃ المجتھدین ولا یذھب بک الغلط ان تقول بتاثیم ھؤلاء بمخالفۃ وقعودھم عن نصرۃ لانہ عن اجتھاد منھم۔ (مقدمہ ابن خلدون صد ۱۸۱)

ترجمہ

لیکن امام حسین کے علاوہ بعض صحابہ و تابعین جو حجاز و شام اور عراق میں تھے اُن کی رائے یہی کہ یزید اگرچہ فاسق و فاجر ہے لیکن قتل و خونریزی کے باعث اس کے خلاف کسی طرح کا اقدام صحیح نہیں ہے اسی وجہ سے عملاً انھوں نے امام حسین کا ساتھ نہیں دیا ورنہ جہاں تک امام حسین کے اقدام کا سوال ہے اس کے برحق ہونے سے کبھی انھوں نے انکار نہیں کیا اور نہ انھوں نے اس سلسلے میں امام حسین کو خطاکار و گنہگار ٹھہرایا کیونکہ وہ مجتہد تھے اور مجتہد کی یہی شان ہوتی ہے۔ اور اس غلطی سے بھی ہمیشہ کے لئے بچنا کہ امام حسین کا ساتھ نہ دینے کی وجہ سے صحابہ و تابعین کو گنہگار کہو۔ کیونکہ ان کا موقف بھی اجتہاد ہی کے نتیجے میں تھا۔

اس عبارت میں تین نکتے خاص طور پر قابل توجہ ہیں۔

پہلا۔ یہ کہ تطہیر ملت کی اس عظیم الشان مہم میں بعض صحابۂ کرام کی اس عدم شرکت کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ یزید کی امارت سے مطمئن تھے بلکہ ان کی مصلحت یہ تھی کہ امیر کو معزول کرنے کے لیے جن وسائل کی ضرورت تھی وہ اس وقت میسر نہیں تھے۔ اس لیے بے سروسامانی کی حالت میں اس طرح کے اقدام سے سوائے اس کے کہ قتال و خونریزی ہو اور کوئی نتیجہ ان کی نگاہوں میں متوقع نہیں تھا۔

دوسرا۔ یہ کہ اگرچہ بعض صحابہ اس راہ میں عملاً حضرت امام حسین کی رفاقت سے دست کش رہے لیکن کبھی بھی انھوں نے امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو غلط کار وگنہگار نہیں سمجھا اور نہ ہی ان کے اقدام پر کسی طرح کا اعتراض کیا۔

تیسرا۔ یہ کہ سرکار امام حسین اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سب کے سب مجتہد تھے۔ صحابہ کی نگاہ اسباب ظاہری کے فقدان اور مصلحت کے تقاضوں پر تھی وہ صحیح وقت کا انتظار کر رہے تھے اور سرکار حسین کا نظریہ یہ تھا کہ تطہیر ملت کی مہم میں کسی طرح کی پیش قدمی کامیابی کی ضمانت پر موقوف نہیں۔ بے اپنی استطاعت کے مطابق اقدام ہی ہمارا فریضہ ہے، نتائج کا کفیل خدائے قدیر ہے۔ ہمارا کام صرف یہ ہے کہ ہم صحیح کو صحیح اور غلط کو غلط کہتے رہیں تاکہ خوب و ناخوب کا امتیاز مٹنے نہ پائے۔

غرض دونوں کی نگاہ دین کی مصلحت اور شریعت کے مفاد پر تھی دونوں یزید کی نااہلیت پر متفق تھے۔ اختلاف صرف وقت کے

تعین میں تھا۔ اور چونکہ دونوں گروہ درجۂ اجتہاد پر فائز تھے اس لئے ان میں سے ہر ایک کی فکر اپنے فیصلے میں آزاد تھی۔

مسئلہ :
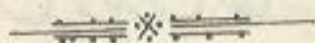
حامیان یزید کی نقاب کشائی!

از۔ جناب احسن رشیدی۔ آگرہ۔

جناب ایڈیٹر صاحب ماہنامہ جام نور۔ کلکتہ

چشم بد دور آپ کا رسالہ ہر ماہ ہماری آنکھوں کی آسائش کا سامان فراہم کرتا ہے۔ خدا اس کی عمر دراز کرے۔ مدعائے نگارش یہ ہے کہ اس وقت میں آپ کو ایک زحمت دینا چاہتا ہوں۔ امید ہے بار خاطر نہ ہوگا :

ہمارے حلقہ احباب میں آجکل ایک مسئلہ موضوع بحث بنا ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ آج سے چند سال پیشتر " خلافت معاویہ و یزید" کے نام سے محمود عباسی نے جو کتاب لکھی تھی اور جس میں یزید کو بر سر حق کہا گیا تھا اور سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف ناروا الزامات لگائے گئے تھے۔ اس کے متعلق کچھ لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ اس کتاب کی اشاعت و حمایت میں دیوبندی حضرات بھی پیش پیش تھے۔ اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ان پر یہ الزام سرتاسر بے بنیاد اور غلط ہے۔ خود دار العلوم دیوبند کے مہتمم قاری طیب صاحب نے اس وقت اہل بیت کی حمایت میں ایک کتاب بھی لکھی تھی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حضرات اہل بیت اطہار سے غایت درجہ

عقیدت رکھتے ہیں۔

آپ اس سلسلے میں اگر فیصلہ دے سکیں کہ کس کی بات صحیح ہے اور کس کی بات غلط ، تو ہم آپ کے بیحد ممنون ہوں گے۔

کیا اس بات کے لئے کوئی قابلِ اعتماد ثبوت پیش کیا جا سکتا ہے کہ دیوبندی حضرات اہل بیت رسول سے قلبی کدورت رکھتے ہیں اور "خلافت معاویہ و یزید" نامی کتاب کی اشاعت و حمایت کے الزام میں وہ واقعۃً ملوث تھے۔

جواب نامہ

مکرمی ؟ سلام مسنون !

غالباً ۱۹۶۱ء کی بات ہے کہ اہل سنت کے مایۂ ناز خطیب حضرت مولانا شاق احمد صاحب نظامی ایڈیٹر پاسبان الہ آباد نے "کربلا کا مسافر" کے نام سے "خلافت معاویہ و یزید" کے جواب میں اہل سنت کے مشاہیر اہل قلم کے مضامین کا ایک مجموعہ شائع کیا تھا۔ اس موقع پر مولانا موصوف نے ایک سوالنامہ کے ذریعہ ملک کے تمام مشاہیر علماء اور مستند دانشوروں سے "خلافت معاویہ و یزید" کے متعلق رائے طلب کی تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ناموں کی فہرست میں دیوبندی جماعت کے چند علماء کے نام بھی تھے۔

یہ اعلان جب میری نظر سے گزرا تو میں نے مولانا موصوف کو ایک طویل مراسلہ بھیجا تھا جس کی نقل اب تک میری فائل میں موجود ہے۔

الگ سے آپ کے سوال کا جواب دینے کے بجائے میں اپنے ہی خط کو جواب نامے کے طور پر شائع کر رہا ہوں۔ اس خط میں وہ سب کچھ موجود ہے جسے آپ معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ خط پڑھ کر علمائے دیوبند کے ساتھ آپکے حسن ظن کی بنیادیں متزلزل ہوئے بغیر نہیں رہ سکیں گی ـــــ خط کی نقل یہ ہے۔

مخزمی حضرت مولانا شتاق احمد صاحب نظامی

مدیر ماہنامہ پاسبان۔ الٰہ آباد

کتاب "خلافت معاویہ و یزید" کے جواب میں "کربلا کا مسافر" کے اعلان کے ساتھ جو گشتی مراسلہ آپنے شائع کیا ہے اس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ "خلافت معاویہ و یزید" پر علمائے دیوبند سے بھی آپ رائے حاصل کر رہے ہیں ذہن پر گراں بار نہ ہو تو اس سلسلے میں ذیل کی چند معروضات ملاحظہ فرمائیں۔

محض عقیدہ و مسلک معلوم کرنے کی غرض سے کسی خاص مسئلے پر علمائے دیوبند کی رائے طلب کرنا کوئی معیوب بات نہیں ہے لیکن قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ اس سلسلے میں اب ان کی رائے کی قیمت ہی کیا ہے انھیں تو جو رائے دینی تھی امدت ہوئی وہ دے چکے۔ اس باب میں ان کا مسلک و عقیدہ اب کسی نئی دریافت کا محتاج ہی کہاں ہے۔ اور بالفرض ان لوگوں نے کتاب خلافت معاویہ و یزید کے متعلق آپکے موقف کے ساتھ اتفاق

رائے کا اظہار کر بھی دیا تو کیا دنیا کو آپ یہ باور کرا سکیں گے کہ در اصل ان کا عقیدہ و مسلک بھی یہی ہے۔

میری نگاہ میں اس سوال کے چند یقینی اسباب ہیں جنھیں ذیل میں پیش کر رہا ہوں۔

کتاب خلافت معاویہ و یزید سے متعلق دیوبندی فرقے کا جماعتی آرگن روزنامہ "الجمعیۃ" دہلی کے ایڈیٹر کا شذرہ غالباً آپ کی نظر سے گزرا ہوگا اس کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمایئے۔

ابھی حال میں پاکستان سے معاویہ و یزید پر ایک کتاب شائع کی گئی ہے جو ہماری نظر سے بھی گزری ہے اور جو اپنے موضوع پر اس قدر محققانہ اور سیر حاصل ہے کہ اس سے بہتر ریسرچ کی کوئی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔
(اشاعت مورخہ ۱۲ اکتوبر ۱۹۵۹ء)

غور فرمایئے! کیا اب بھی دیوبندی جماعت کا مسلک و عقیدہ معلوم کرنے کے لئے مزید کسی رائے کا انتظار باقی ہے اور کیا اس خوش فہمی کے لئے اب کوئی اب کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ خلافت معاویہ و یزید کی تائید و حمایت میں وہ پیش پیش نہیں ہیں۔؟

شعر نہ تھی دل میں تو کیوں آئی زباں پر

صوبۂ بہار میں دیوبندی جماعت کی امارت شرعیہ پھلواری شریف کا آرگن پندرہ روزہ نقیب خلافت معاویہ و یزید کی تائید کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

> علمائے دیوبند کی بدولت احادیث کی اشاعت نے بھی حقیقت پر سے پردہ اٹھایا۔ جناب محمود عباسی کی یہ کتاب خلافت معاویہ و یزید اسی احقاق حق کی آخری کوشش ہے۔
>
> (اشاعت مورخہ ۹ر اکتوبر ۱۹۵۹ء)

شاباش! جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے۔ آپ ہی کہئے کہ اب اس میں کیا شبہ رہ جاتا ہے کہ اس طرح کے احقاق حق کی آخری کوشش نہ سہی اولین کوشش تو علمائے دیوبند کی طرف ضرور منسوب ہونی چاہئے۔ انھوں نے بنیاد رکھی، عباسی نے ایوان کھڑا کیا۔ اب" اول با آخر نسبتے دارد" کے اصول پر ناموس اہل بیت کے خون سے اگر دونوں کے ہاتھ رنگین نظر آرہے ہیں تو اس میں شرمانے کی کیا بات ہے۔

چند سطروں کے بعد پھر نقیب لکھتا ہے۔

> بیشک ہم امام حسین کی فضیلت کے قائل ہیں اس لئے کہ وہ مسلمان تھے تابعی تھے اور بعض دلائل کی بنا پر صحابی تھے اور جس بات کو حق سمجھا گو اس میں اجتہاد کی غلطی ہوئی اس بات کے لئے مردانہ وار جان دیدی۔
>
> (نقیب پھلواری ۹ر اکتوبر ۵۹ء)

اس سے بڑھ کر فضیلت و عقیدت کا اعتراف اور کیا ہو سکتا ہے کہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان تھے۔ باقی رہا ان کا صحابی ہونا تو یہ متفقہ طور پر ثابت نہیں ہے۔ واللہ حد ہو گئی کور چشمی اور عناد کی بھی۔ امام عالی مقام کی ذات اقدس پر اجتہاد کی غلطی کا الزام رکھتے ہوئے نقیب کے مدیر کو کم از کم اتنا ضرور سوچنا چاہیے تھا کہ وہ کس کھیت کی مولی ہیں۔ کہاں شہزادۂ رسول کی بارگاہ عزت و جلال، اور کہاں جہل و افلاس کے مارے ہوئے ناچیز ذرے، زبان کھولنے کی جسارت پر سر پیٹ لینے کو جی چاہتا ہے۔

اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ پروردۂ آغوش رسالت کے متعلق جس طبقے کے خیالات اس قدر جارحانہ ہیں کیا اب بھی ان کا مسلک و عقیدہ معلوم کرنے کے لئے مزید کسی رائے کا انتظار باقی ہے؟ اور کیا اس خوش فہمی کے لئے اب کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ خلافت معاویہ و یزید کی تائید میں جو کچھ انھوں نے لکھا ہے اس کے پیچھے عناد کا جذبہ کار فرما نہیں ہے۔

؏ نہ تھی دل میں تو کیوں آئی زباں پر

۳

بہت کم لوگوں کا ذہن اس طرف گیا ہو گا کہ خلافت معاویہ و یزید جیسی دل آزار کتاب کی طباعت و اشاعت میں درپردہ کن لوگوں کا ہاتھ ہے۔ حیرت کا سامنا کرتے ہوئے سنئے کہ وہ دیوبندی جماعت کے ایک مایۂ ناز اہل قلم اور معتمد عالم ہیں۔ دوسروں کی روایت نہیں خود محمود عباسی نے اپنے دیباچے میں ان لوگوں کی بھرپور نقاب کشائی کی ہے۔ محمود عباسی کی یہ تحریر ملاحظہ ہو۔

محبی و محترمی جناب مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی مدیر صدق جدید نے اپنے مکتوب' مرقومہ ۱۰ فروری ۱۹۵۸ء موسومہ مدیر رسالہ تذکرہ میں فرمایا تھا کہ آپکے " الحسین " پر تبصرہ کے عنوان سے جو مسلسل مقالہ نکل رہا ہے وہ بہت ہی جامع ' نافع اور بصیرت افروز ہے اسے کتابی صورت میں جلد لایئے۔ (دیباچہ خلافت معاویہ و یزید ص ۱۳)

صدق جدید کے ایڈیٹر عبد الماجد صاحب دریابادی ہمارے لیے کچھ اجنبی نہیں ہیں۔ یہ شیخ دیوبند مولوی حسین احمد صاحب آنجہانی کے جانے پہچانے مرید اور رئیس الطائفہ مولوی اشرفعلی صاحب تھانوی کے خلیفہ و معتمد ہیں۔ یہی حضرت ہیں جنھوں نے تھانوی صاحب کی منقبت میں "حکیم الامۃ" نام کی ایک کتاب تصنیف کی ہے۔ تھانوی صاحب کی تربیت و صحبت میں اپنے مزاج کی تبدیلی کا حال بیان کرتے ہوئے انھوں نے دیوبندی مذہب فکر کے اندرونی ماحول کو جس دلیری کے ساتھ بے نقاب کیا ہے وہ انہی کا حصہ ہے۔ موصوف کا یہ نوشتہ غور سے پڑھئے ارشاد فرماتے ہیں۔

ایک زمانہ تھا کہ بزرگوں کے کمالات و کمالات اور ان کے مناقب کے کلام سے بڑی دلچسپی تھی اور توحیدی مضامین خشک و بے مزہ معلوم ہوتے تھے ایک عرصے سے صورت حال بالکل برعکس ہے۔ اب توحید ہی کے مضامین سننے اور پڑھنے کا دل چاہتا ہے اور بڑے سے بڑے بزرگ کے لیے ان کی بشریت کا تصور اتنا غالب آجاتا ہے کہ ان کے کرامات و مناقب میں اب زیادہ جی

> نہیں لگتا۔ حد یہ ہے کہ نعتیہ کلام میں بھی اب اگلی سی دل بستگی باقی نہیں رہی
> (حکیم الامت صفحہ [illegible])

تھانوی صاحب کی صحبت میں محبوب الٰہی اور مقربان حق سے بے تعلقی اور بیگانگی کا یہ جذبۂ بیزاری اب تنقیص کی حد تک پہونچ گیا ہے۔ چنانچہ انہی عبدالماجد صاحب دریابادی کا گستاخ قلم ایک جگہ صحابۂ کرام کی حرمت پر یوں نشتر چلاتا ہے پڑھئے اور جسارت ناروا پر ماتم کیجئے۔

> جب حضرات صحابہ تک نہ عملی معصیتوں سے محفوظ رہے نہ اجتہادی لغزشوں سے تو دوسرے حضرات کا مرتبہ تو اُن سے فروتر ہے (حکیم الامت صفحہ [illegible])

دیکھ رہے ہیں آپ! یہ ہیں دیوبندی تربیت گاہ کے سند یافتہ عارف جن کی نگاہ میں صحابہ تک معاذ اللہ گناہوں میں ملوث ہیں۔ وہ آج اگر امام حسین اور دیگر اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مذمت و تنقیص پر دشمنوں کو خراج تحسین پیش کر رہے ہیں تو اس میں تعجب اور شکوے کی کیا بات ہے اور یہ سارا زہر اسی میکدے کا ہے جس کے کلید بردار جناب تھانوی صاحب ہیں جب ان کے قلم کے نشتر سے رسول پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و حرمت محفوظ نہ رہ سکی تو صحابۂ کرام اور اہل بیت اطہار کی۔

دیوبندی تربیت گاہوں میں جب اسی طرح کا زہر کشید کیا جاتا ہے تو آپ ہی غور فرمائیے کہ اس جماعت کے معتمد جناب عبدالماجد دریابادی کی تحریک پر جو کتاب طبع ہو کر شائع ہوئی کیا اب بھی اُن کا مسلک و عقیدہ

معلوم کرنے کے لیے کسی نئی دریافت کی ضرورت ہے اور کیا اس خوش فہمی کے لیے اب بھی کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ خلافت معاویہ و یزید کی تائید و حمایت میں ان کے قلم سے اتفاقاً لغزش ہو گئی ہے۔؟

؎ نہ تھی دل میں تو کیوں آئی زباں پر

۴

یہ معلوم کرکے آپ کو انتہائی حیرت ہوگی کہ قاتل حسین، یزید کی عظمت فضیلت اور دیانت و بیگناہی ثابت کرنے کے لیے محمود عباسی نے اپنی کتاب میں حامیان یزید کی جو شہادتیں پیش کی ہیں ان میں یورپ کے ناخدا ترس ملحدین اور اسلام دشمن مورخین کے علاوہ دیوبندی جماعت کے شیخ الشائخ مولوی حسین احمد ٹانڈوی کا نام بھی سرفہرست ہے۔ گویا دشمن کے ہاتھ میں جو تلوار چمک رہی ہے وہ آپ ہی کی عطا کردہ ہے۔

؎ قاتل اگر رقیب ہے تو تم گواہ ہو

اس دعوے کے ثبوت میں خود محمود عباسی کا یہ حوالہ ملاحظہ فرمایئے۔

> حضرت مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں تاریخ شاہد ہے کہ معارک عظیمہ میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔ خود یزید کے متعلق بھی تاریخی روایات مبالغہ اور اکثر کے تخالف سے خالی نہیں۔ (مکتوبات جلد اول صفحہ ۲۴۴ ۲۵۳)
>
> (خلافت معاویہ و یزید صفحہ ۲)

ملاحظہ فرمایئے! یہ ہیں یزید کی طرف سے صفائی کے گواہ شیخ دیوبند! ذرا یہ جملے پھر غور سے پڑھئے گا۔ "خود یزید کے متعلق بھی تاریخی روایات مبالغہ اور آپس کے تخالف سے خالی نہیں"۔

یہاں غور طلب یہ امر ہے کہ یزید کے متعلق تاریخی روایات میں شہادت امام حسین بھی ہے اور معرکۂ کربلا کے دردناک مظالم بھی! مخدرات اہل بیت کی اسیری و بے پردگی بھی ہے اور خانۂ کعبہ کی بے حرمتی و اہل مدینہ کا قتل عام بھی! قصۂ مے نوشی و سرود و نغمہ، ترک فرائض اور اشاعت منکرات، غرض سبھی کچھ تاریخی روایات کے انبار میں ہے۔ لیکن مصلحت بالائے طاق رکھکر اگر اس امر کی نشاندہی کر دی گئی ہوتی کہ ان تاریخی روایات میں مبالغہ اور تخالف کہاں کہاں ہے تو آج عباسی تشریح کی زحمت سے بچ جاتے اس سے زیادہ اور عباسی کا قصور ہی کیا ہے کہ اس نے اسی اجمال کی تفصیل اور اسی متن کی شرح کا نام "خلافت معاویہ و یزید" رکھ دیا۔

حرم کی خاک پہ لات و منات کیا کم ہیں
یہ کیا ضرور کسی برہمن کی بات کریں

یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اجمال و تفصیل، اور متن و شرح، دونوں جگہ قلم کے پیچھے ایک ہی ارادہ، ایک ہی زاویہ نگاہ اور ایک ہی جذبہ کارفرما ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ عباسی کا قلم اپنی ناعاقبت اندیش گستاخی کا شکار ہو کر مومنین کے قلوب کے لئے کانٹا بن گیا اور شیخ دیوبند اپنی مصلحت اندیش چالاکی سے بے نقاب نہیں ہو سکے لیکن ۔ ۔ ۔ ۔

نزدیک ہیں وہ دن کہ پس پردۂ جلوہ
پابندیٔ آداب تماشا نہ رہے گی

اب آپ ہی غور فرمائیے کہ اتنا سب کچھ ہو جانے کے بعد بھی شہدائے کربلا کے بارے میں دیوبندی جماعت کا مسلک و عقیدہ معلوم کرنے کے لئے کیا مزید کسی رائے کا انتظار باقی ہے۔ اور پھر کیا اس خوش فہمی کے لئے اب کوئی گنجائش رہ گئی ہے کہ خلافت معاویہ و یزید ان کے جماعتی عقیدے کی ترجمان نہیں ہے۔

ع نہ تھی دل میں تو کیوں آئی زباں پر

۵

ایک نیا انکشاف اور ملاحظہ فرمائیے اور خدا کا شکر ادا کیجیے کہ اس کی مخفی تدبیر مجرمین کے چہرے کی کتنے حیرت انگیز طریقے پر نقاب کشائی فرماتی ہے۔ محمود عباسی نے اپنی کتاب خلافت معاویہ و یزید میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے اور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کی تقصیر و خطا اور یزید کی طہارت و بیگناہی ثابت کرنے کے لئے جو نشانے قائم کئے ہیں وہ دور حاضر کے ملحدین کی زبان میں ان کے ذہن کی کوئی نئی تخلیق نہیں ہے۔ آج سے پانچ سال قبل اس کی بنیاد دیوبندی فرقے کے مشہور مناظر اور ان کی تبلیغی جماعت کے موجودہ سربراہ مولوی منظور نعمانی صاحب کی ادارت میں اُن کے ماہنامہ الفرقان لکھنؤ کے صفحات پر پڑ چکی ہے۔ حوالہ کے لئے ماہنامہ الفرقان اگست ۱۹۵۴ء نمبر ۱۰ اور صفحہ ۴ اور الفرقان ستمبر ۱۹۵۴ء صفحہ ۴ کے مضامین کا خلاصہ ذیل میں ملاحظہ فرمائیے:

(الف) اہل بیت کے سلسلے میں مسلمان افراط و تفریط میں مبتلا ہو گئے ہیں اور اعتقاد و عمل میں غلو سے کام لیتے ہیں۔ چنانچہ ہزاروں بے بنیاد روایات اہل بیت اور واقعۂ کربلا کو اہمیت دینے کی غرض سے گڑھ لی گئی ہیں۔

(ب) امام حسین محض اپنی ذاتی عزت کے سوال پر شہید ہوئے۔ (معاذ اللہ)

(ج) امام حسین کا خیال غلط اور باطل تھا۔ (معاذ اللہ)

(د) یزید کے خلاف امام حسین کا اقدام بغاوت و خروج پر مبنی تھا۔ (معاذ اللہ)

(ہ) جن صحابۂ کرام نے یزید کی بیعت سے انکار کیا یہ ان کا شخصی اجتہاد تھا۔

ٹھیک اس کے ایک سال بعد نومبر ۱۹۵۹ء میں لکھنؤ کے مشہور ادبی ماہنامہ "نگار" میں الفرقان کے مذکورہ بالا مضمون پر "واقعۂ کربلا" کے عنوان سے کسی محقق اہل قلم کی ایک تنقید شائع ہوئی تھی۔ اس کی ابتدائی سطریں ملاحظہ فرمائیے اور قارئین کے ردعمل اور تاثرات کی یکسانیت کا تماشا دیکھئے۔

> مضمون بالا کو بالاستیعاب پڑھنے کے بعد میں اور کئی ذی علم دوست اس نتیجے پر پہونچے کہ مضمون نگار اول سے آخر تک حکومت بنی امیہ اور خصوصاً یزید کی پوزیشن صاف کرنے اور امام ہمام سیدنا حسین علیہ السلام کی مظلومانہ حیثیت اور اولو العزمانہ شہادت کا مرتبہ گھٹانے میں ساعی رہے ہیں اس لئے اگر ان کے مضمون کو حمایت یزید کے نام سے موسوم کیا جائے تو بیجا نہیں۔ مضمون کے پہلے نمبر کو پڑھ کر بعض صاحبوں نے ان پر اعتراضات کئے تھے کہ حضرت امام حسین کے اقدام کے سلسلے

بغاوت کا لفظ کیوں استعمال کیا۔ نیز حضرت کا بیعت یزید کے لئے آمادہ ہو جانا، صحابہ کا یزید سے بیعت کر لینا اور یزید کا حادثہ کربلا پر گریہ کرنا کس بنا پر لکھ دیا۔ ان اعتراضات کے جو جوابات انھوں نے دیئے ہیں ان میں سے ہر شخص یہ کہنے پر مجبور ہوگا کہ وہ اموی سلطنت کے طرفدار و نیا میں ہیں۔ (ماہنامہ نگار لکھنؤ صفحہ ۹ بابت نومبر ۱۹۵۹ء)

اس کے بعد کی ایک اور عبارت ملاحظہ فرمایئے۔ تنقید نگار لکھتا ہے۔

انھوں نے اپنے نزدیک امام پر بڑا احسان کرتے ہوئے آپ کی شہادت کو تو تسلیم کر لیا ہے مگر اس کو محض ذاتی عزت کا سوال قرار دیا ہے حالانکہ دوسری جگہ خود ان کے خیال کو باطل ٹھہرایا ہے۔ اب کہیے کس کو صحیح مانا جائے؟ (نگار صفحہ ۱۲ بابت ماہ ستمبر ۱۹۵۹ء)

اخیر کی ایک عبارت اور ملاحظہ فرمایئے۔

انھوں نے اپنے مضمون میں نہایت جسارت سے حضرت کے اقدام کے متعلق بغاوت کا لفظ استعمال کیا ہے اور جب کسی شخص نے ٹوکا تو صاف صاف اظہار ندامت کے بجائے تاویل رکیک کی آڑ لی ہے۔ (نگار صفحہ ۱۳ ستمبر ۵۹ء)

اب آپ اپنا حافظہ ذرا تازہ کیجئے اور محمود عباسی کی خلافت معاویہ و یزید اور الفرقان لکھنؤ بابت اگست و ستمبر ۱۹۵۵ء کے مضامین و اقتباسات پر ایک منصفانہ نظر ڈال کر فیصلہ کیجئے کہ یزید کی طہارت و بیگناہی اور سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی تقصیر و خطا ثابت کرنے کے لیے عباسی نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے کیا یہ وہی خیالات نہیں ہیں جنھیں آج یعنی ۱۹۶۰ء سے پانچ سال پیشتر دیوبندی جماعت کے ایک ذمے دار حلقے نے شائع کیا تھا۔ یہاں تک کہ الفرقان کے وہ مضامین پڑھنے کے بعد ٹھیک غم و غصے کے یہی تاثرات اس وقت بھی لوگوں کے قلوب میں پیدا ہوئے تھے جو آج خلافت معاویہ و یزید کے مطالعہ سے عام اذہان میں پیدا ہو رہے ہیں۔

تجربات و تاثرات کی ان شہادتوں کے بعد اب اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہے کہ دونوں تحریروں میں ایک ہی تخیل ایک ہی طرز استدلال ایک ہی انداز بیان اور ایک ہی لب و لہجہ اجمال و تفصیل کے ساتھ مشترک ہے فرق صرف اتنا ہے کہ الفرقان کی دل آزار تحریر کا احساس اس وقت ایک خاص حلقے میں محدود ہو کر رہ گیا تھا اور آج عباسی کا فتنۂ بدبختی نگر نگر میں پھیل گیا ہے۔

اب میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ یزید کی حمایت میں دیوبندی جماعت کے آرگن الفرقان لکھنؤ کی گرم جوشانہ سبقت اور سیدنا امام حسین کے خلاف جارحانہ پیشقدمی کے بعد بھی کیا اس باب میں دیوبندی جماعت کا مسلک و عقیدہ معلوم کرنے کے لئے اب مزید کسی نئے سوال کی ضرورت باقی رہ گئی ہے

اور پھر کیا اس خوش فہمی کے لیے ذہن کے کسی گوشے میں جگہ مل سکتی ہے کہ خلافت معاویہ و یزید ان کے جماعتی مسلک و اعتقاد کی ترجمان نہیں ہے ع

تھی دل میں تو کیوں آئی زباں پر

(۶)

اور جگر کا خون جلا دینے والی خبر تو یہ ہے کہ دیو بندی جماعت کی طرف سے یزید کی حمایت اور امام عالیمقام کے خلاف جارحانہ خیالات کا قصہ اتنے پر ہی بس نہیں ہو جاتا ہے بلکہ حسین دشمنی کے جذبے میں وہ اتنے آگے بڑھ گئے ہیں کہ انھوں نے امام حسین کے اقدام سے ناراضگی اور بیزاری کا رشتہ نبی محترم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے ساتھ بھی جوڑ دیا ہے۔

حوالے کے لیے ملاحظہ فرمایئے اخبار "النجم لکھنؤ" جس کے ایڈیٹر دیو بندی فرقے کے امام مولوی عبد الشکور صاحب کاکوروی تھے۔ ۱۰ ارمحرم ۱۳۵۶ھ کو اس کا کربلا نمبر شائع ہوا تھا۔ اس میں ایک مضمون نگار باغیان خلافت کے خلاف وعید عذاب اور عقوبت و سزا والی حدیثوں کو بیان کرنے کے بعد لکھتا ہے۔

> بلکہ تمام روایتوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی طرح یزید کی مخالفت پر رضامند نہ تھے۔
>
> (النجم لکھنؤ بابت محرم ۱۳۵۶ھ صفحہ ۲۵)

معاذ اللہ! یزید کی حمایت میں ذرا اس تحریف اور افترا پردازی کی ناپاک عبارت ملاحظہ فرمایئے ۔ اس مفتری اور کذاب کا مقصد یہ ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کی مخالفت کر کے اپنے نانا جان سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کر دیا۔ ذرا غور فرمایئے امام حسین رضی اللہ عنہ کے قلب نازک پر اس سے بھی زیادہ دردناک اذیت کی کوئی چوٹ لگائی جا سکتی ہے۔ نعوذ باللہ من شرور انفسہم۔

آگے چل کر مضمون نگار نے چند وہ حدیثیں بھی نقل کی ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ جب بندوں میں اللہ کی نافرمانی بڑھ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ بادشاہوں کے دلوں کو قہر و غضب اور سخت گیری کے ساتھ ان کی طرف پھیر دیتا ہے۔ اور وہ انہیں طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کرتے رہتے ہیں۔

ان حدیثوں کے بیان کرنے کے بعد نتیجہ کے طور پر آخر میں لکھتا ہے۔ خون کی ان لکیروں کو اشکبار آنکھوں سے پڑھیے۔

> یزید کو جو اُس وقت کے مسلمانوں پر ایک عذاب الٰہی کا نمونہ تھا، ہرگز ہرگز برا کہنے کی اجازت نہیں۔ (النجم صـ۲۶)

اس عبارت سے نامراد کی مراد یہ ہے کہ معاذ اللہ اُس وقت صحابہ کرام اور اہل بیت میں خدا کی نافرمانی کا جذبہ اس قدر بڑھ گیا تھا کہ خدا نے ان کی تعزیر کے لئے یزید جیسے جابر و سفاک بادشاہ کو ان کے اوپر مسلط کر دیا

یہ ہیں شہدائے کربلا کے بارے میں دیوبندی جماعت کے وہ جارحانہ خیالات جن کے سامنے عباسی کی شقاوت بھی ہاتھ باندھے کھڑی ہے۔ اب ایمان و عقیدت کی اسپرٹ میں آپ ہی انصاف کیجئے کہ اتنا سب کچھ منظر عام پر آجانے کے بعد بھی اس باب میں دیوبندی گروہ کا مسلک و عقیدہ معلوم کرنے کے لئے کیا اب کسی نئی دریافت کی ضرورت ہے اور کیا اس خوش فہمی کے لئے اب کوئی گنجائش ہے کہ خلافت معاویہ و یزید ان کے مسلک و اعتقاد کی ترجمان نہیں ہے ؎

نہ تھی دل میں تو کیوں آئی زباں پر

(۷)

شہید کربلا شہزادۂ گلگوں قبا سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق دیوبندی جماعت کے یہ جارحانہ خیالات کچھ نئے نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے مذہبی پیشواؤں نے اپنی تصنیفات میں نہایت شد و مد کے ساتھ اپنے متبعین کو امام عالی مقام کی بارگاہ اطہر میں خراج ثواب اور نذرانۂ عقیدت تک پیش کرنے سے منع کیا ہے۔ بلکہ حد یہ شقاوت کی انتہا یہ ہے کہ یہ لوگ عشرۂ محرم میں امام عالی مقام کی صحیح سرگزشت تسلیم و رضا اور تذکرہ واقعات شہادت کا زبان پر لانا بھی گناہ سمجھتے ہیں۔ حوالہ کے لئے دیکھئے دیوبندی فرقے کے امام اعظم مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کی فتاویٰ رشیدیہ نامی کتاب حصہ دوم ص۱۵۳ اور حصہ سوم ص۱۱

خالی الذہن ہو کر غور کرنے پر اس کی وجہ یہی سمجھ میں آتی ہے کہ یا تو

یہ لوگ امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کی عظیم المرتبت شہادت کو شہادت ہی نہیں سمجھتے۔ بلکہ امام المسلمین کے خلاف خروج بغاوت کی ایک شرعی تعزیر سمجھتے ہیں یا پھر یزید کے جذبۂ حمایت میں یہ اتنا بھی برداشت نہیں کر سکتے کہ امام واجب الاحترام کی دردناک مظلومی اور رقت انگیز واقعۂ شہادت کا اظہار کر کے یزید کے مظالم کی لرزہ خیز داستان منظر عام پر لائی جائے۔

بہر حال وجہ جو بھی ہو اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان لوگوں نے اپنے اس جذبے کی شدت میں اتنا غلو کر لیا ہے کہ اب یہ ان کا مذہبی عقیدہ بن چکا ہے جس پر یہ مسلح ہو کر جنگ تو کر سکتے ہیں لیکن اس سے رجوع نہیں کر سکتے۔

اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ حضرت امام حسین اور اُن کے رفقاء کے متعلق ان کا یہ جارحانہ عقیدہ، جسے سلف سے لے کر خلف تک سب نے اپنا مذہبی شعار بنا لیا ہے، معلوم ہو جانے کے بعد بھی کیا اس باب میں اُن کا اعتقادی موقف معلوم کرنے کے لیے اب مزید کسی سوال کی ضرورت ہے۔ اور پھر کیا اس خوش فہمی کے لئے اب بھی کوئی گنجائش باقی رہ گئی ہے کہ خلافت معاویہ و یزید ان کے جماعتی فکر و اعتقاد کی ترجمان نہیں ہے ؂

تھی دل میں تو کیوں آئی زباں پر

ایک غلط فہمی کا ازالہ

اس حقیقت سے غالباً آپ بھی انکار نہیں کریں گے کہ حالات کے دباؤ سے اکثر

کی تائید کو مسلک و عقیدہ نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ وقت کے تقاضوں کے مطابق اسے عاقبت اندیشانہ اقدام یا موقعہ پرستی ضرور کہا جا سکتا ہے۔

مثال کے طور پر حکومت دہلی اور ریاست پنجاب و بنگال کے جن غیر مسلم سربراہوں نے کتاب خلافت معاویہ و یزید کو ضبط کر کے جس منصفانہ کردار کا مظاہرہ کیا ہے ان کے متعلق یہ دعویٰ قطعاً غلط ہے کہ یہی ان کا مذہبی عقیدہ بھی ہے۔ اس سلسلے میں زیادہ سے زیادہ صحیح بات جو کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ انھوں نے کتاب کو ضبط کر کے رائے عامہ کے جذبات کا احترام کیا ہے۔

ٹھیک یہی صورت حال قاری طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند کی اس قرارداد کی بھی ہے جسے انھوں نے خلافت معاویہ و یزید کی مذمت میں شائع کر کے مسلم رائے عامہ کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ وہ یزید کے طرفداروں میں نہیں بلکہ حسین کے حامیوں میں ہیں۔ لیکن ایک سوال جسے کسی طرح بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا یہ ہے کہ جب دیوبند کے کتب فروش جو عقیدۃً بھی دیوبندی ہیں کتاب کی اشاعت میں حصہ دار بن کر اسے مارکیٹ میں لے آئے تو اس وقت یہ خاموش تھے۔ جب دیوبند کے ماہناموں "تجلی" اور "اسلامی دنیا" نے اس کی تائید میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے تو اس وقت بھی یہ خاموش رہے۔ جب تبلیغی جماعت کے آرگن الفرقان لکھنؤ نے اس کتاب کا سوقلب دینے میں اعلان کیا تو اس وقت بھی یہ خاموش رہے۔ جب دیوبندی سیاست کے ترجمان الجمعیۃ دہلی نے کتاب

کی حمایت میں اپنا گمراہ کن تبصرہ شائع کیا تو اس وقت بھی یہ خاموش رہے۔

غرض دارالعلوم دیوبند کی دیوارت سے کر لکھنؤ اور دہلی تک شہزادۂ رسول کے خلاف ہر معیار طرف جارحانہ نعرے بلند ہوتے رہے اور ان کے قلم کو جنبش تک نہ ہوئی۔ کربلا کے شہیدوں کا ناموس دشمنوں کے ہاتھوں مجروح ہوتا رہا اور یہ سکون قلب کے ساتھ اُن کی بے حرمتی کا تماشا دیکھتے رہے لیکن جب آل رسول کے خلاف دیوبندی اخبار و رسائل اور دیوبندی کتب فروشوں کی جارحانہ سرگرمیوں کے نتیجے میں رائے عامہ دیوبندی مذہب فکر کے حق میں مشتعل ہونے لگی اور یہ اندیشہ یقینی ہو گیا کہ نناوے فیصدی مسلم عوام ٹوٹ کر الگ ہو جائیں گے تو دارالعلوم دیوبند کے مہتمم صاحب کو اپنے ادارے کا مفاد خطرے میں نظر آیا اور فوراً انھوں نے اپنے عقیدہ و مسلک کی صفائی میں ایک قرارداد منظور کر کے ملک میں شائع کر دیا۔ قرارداد کی عبارت پڑھنے کے بعد ہر شخص یہ فیصلہ کرنے پہ مجبور ہوگا کہ اس کے پس منظر میں حمایت حق کے بجائے اپنی صفائی کا جذبہ واضح طور پہ کار فرما ہے۔ ثبوت کے لئے قرارداد کا یہ حصہ غور سے پڑھیے جو ۴ر نومبر ۱۹۵۹ء کو دارالعلوم کے ایک جلسہ میں منظور کی گئی۔

> دارالعلوم دیوبند کا یہ شاندار اجلاس جہاں اس کتاب سے اپنی بیزاری کا اظہار کرتا ہے وہیں وہ ان مفتریوں کے خلاف بھی نفرت و بیزاری کا اعلان کرتا ہے جنھوں نے اپنی کذب بیانی سے اس کتاب کی تصنیف

اشاعت میں علمائے دیوبند کا ہاتھ دکھلا کر اور اسے علمائے دیوبند
کی تصنیف باور کرانے کی سعی کر کے انتہائی دیدہ دیری سے "دروغ
گو را حافظہ نہ باشد" کا ثبوت دیا ہے اور اس حیلے سے علمائے دیوبند کی
پوزیشن کو مجروح کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے۔
پیام مشرق دہلی ۱۲ نومبر ۱۹۵۹ء

مہتمم دار العلوم دیوبند سے ایک نئی بر وقت مطالبہ

اگر واقعی کتاب کی

طباعت و اشاعت میں علمائے دیوبند کا ہاتھ نہیں ہے اور فی الحقیقۃ وہ اسے
اپنے مسلک و عقیدہ کے خلاف سمجھتے ہیں تو حمیت حق کے نام پر ہم قاری طیب
صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ "اسباب جرم کا فراہمی
اور اعانت جرم بھی جرم ہے" کے اصول پر لگے ہاتھوں تھانوی صاحب کے
خلیفہ مولوی عبد الماجد دریابادی ایڈیٹر مکتوبات مولانا حسین احمد صاحب صدر
دیوبند' اور النجم لکھنؤ' نقیب پھلواری' الفرقان لکھنؤ' الجمعیۃ دہلی' فتاوی
رشیدیہ' ماہنامہ تجلی اور اسلامی دنیا دیوبند کے خلاف بھی اسی لب و لہجے
میں اپنی نفرت و بیزاری اور غم و غصے کی ایک قرارداد منظور کر کے ملک
کے اخبارات و رسائل میں شائع کرا دیں کیوں کہ ان میں سے بعض نے کتاب
کی ترتیب و تدوین' مواد کی فراہمی' طباعت و اشاعت اور تائید میں
بعنوان مختلف حصہ لیا ہے اور بعضوں نے اسی طرح کے جارحانہ خیالات اپنی

تحریروں میں پیش لئے ہیں جیسا کہ پچھلے اوراق میں اس کے کچھ نمونے سپرد قلم کرچکا ہوں۔

اگر مہتمم صاحب ایسا کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ وہ ایسا ہرگز نہیں کرسکیں گے تو انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ زیادہ دنوں تک وہ عوام کی آنکھوں میں دھول نہیں جھونک سکتے۔ تاب بزدلی کے نتیجے یہ لازمی مطالبہ پورا نہ ہوا تو عوام یہ فیصلہ کرنے میں قطعاً حق بجانب ہونگے کہ قرارداد کا مقصد حق کی حمایت نہیں بلکہ دارالعلوم دیوبند کے مالی مفاد کے تحفظ کے لئے مسلمانوں کو ٹوٹنے سے بچانا ہے۔ جیسا کہ پڑوس میں رہنے والے ایک واقف کار دیوبندی فاضل نے خود اس کی شہادت دی ہے ثبوت کے لئے تجلی کے ایڈیٹر مولانا عثمانی عامر کا یہ بیان پڑھئے۔

> ظاہر ہے کہ جس ادارے کا مدار ہی قوم کے چندے پر ہو اسے حکمت و مصلحت کی نوک و پلک درست رکھنی ہی چاہئے۔
>
> (ماہنامہ تجلی دیوبند بابت دسمبر ۱۹۵۹ء)

یہی نہیں دارالعلوم دیوبند کے مزاج شناس حلقوں کا تو یہاں تک کہنا ہے کہ آج رائے عامہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حمایت میں ہے اس لئے مصلحت کا تقاضا ہے کہ یزید کے حامیوں کی مذمت میں قرارداد شائع کی جائے، کل اگر خدانخواستہ رائے عامہ یزید کے حق میں پلٹ

جائے تو دار العلوم کے ارباب حل و عقد کے لئے قطعاً کوئی امر مانع نہ ہوگا کہ وہ اسی لب و لہجے کے ساتھ حامیان حسین کی مذمت میں بھی کوئی قرار داد شائع کر دیں۔ حوالہ کے لئے ذیل کا اقتباس پڑھئے۔ قرار داد ہی کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے مولانا عثمانی لکھتے ہیں۔

> وہ (یعنی مہتمم دار العلوم دیوبند) نہایت ضابطہ و متحمل ہیں انھیں جذبات پر حیرت انگیز حد تک قابو ہے۔ وہ جب چاہیں جس موضوع پر چاہیں ایک ہی لب و لہجے میں بات کر سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ کل اگر مصالح کا تقاضا یہ ہو کہ اس قرار داد کے بالکل برعکس تجویز پاس کی جائے تو ان کا قابو یافتہ قلم اسے بھی نہایت اطمینان سے اسی تشکر و لب و لہجے میں ثبت قرطاس کر دے گا۔
>
> (تجلی دیوبند دسمبر ۵۹ء)

شاباش! اسلام میں جس خصلت کو منافقت سے تعبیر کیا گیا ہے اسے دیوبندی فاضل اپنے مہتمم صاحب کے محاسن میں شمار کر رہے ہیں۔

ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بہ کجا

ویسے بھی ان حضرات کے یہاں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے دار العلوم دیوبند کے مفاد اور جماعت کی مصلحت پر وہ اپنے مسلک و اعتقاد کا خون کرنے کے عادی ہیں۔ حد یہ ہے کہ فریب خوردہ عوام کے دلوں پر اپنا قبضہ برقرار رکھنے کے لئے منہ بولا شرک و بدعت تک وہ خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کر لیتے ہیں۔

ویسے عام حالات میں تو وہ مومنین کے آقا سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات کے اعتراف میں اپنا دل صاف نہیں رکھتے لیکن جب کبھی جماعت کی مصلحت داعی ہوتی ہے تو اپنے دل پر جبر بھی کر لیتے ہیں۔

چنانچہ چھوٹوں کی نہیں، ان کے بڑوں کی باتیں کر رہا ہوں۔ "اشرف السوانح" کے مؤلف دارالعلوم دیوبند کے ایک جلسۂ دستار بندی کا ذکر کرتے ہوئے اپنے پیر مغاں مولانا اشرف علی تھانوی کے متعلق لکھتے ہیں۔

> دارالعلوم دیوبند کے بڑے جلسۂ دستار بندی میں بعض حضرات اکابر نے ارشاد فرمایا کہ "اپنی جماعت کی مصلحت کے لئے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بیان کئے جائیں تاکہ اپنے مجمع پر جو وہابیت کا شبہ ہے وہ دور ہو۔ یہ موقع بھی اچھا ہے کیونکہ اس وقت مختلف طبقات کے لوگ موجود ہیں۔" حضرت والا (تھانوی صاحب) نے باادب عرض کیا کہ "اس کے لئے روایات کی ضرورت ہے اور وہ روایات مجھ کو مستحضر نہیں۔" (اشرف السوانح جلد اول صلے)

"ذرا اپنی جماعت کی مصلحت کے لئے" کا فقرہ ذہن پر زور دے کر پڑھئے تو بنی کے ساتھ ان کے رشتۂ ایمان کا سارا بھرم کھل جائے گا۔ حیرت ہے کہ دل کا نفاق بے نقاب کرتے ہوئے اس جماعت کے اکابر کو کوئی جھجک محسوس ہوئی اور نہ تھانوی صاحب ہی نے جواب میں یہ کہا کہ حضور کے فضائل کا بیان

تو اپنا دین و ایمان ہے اس میں جماعت کی مصلحت کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے
بلکہ انھوں نے جواب میں یہ عذر پیش کر کے کہ "حضور کے فضائل کے بیان کے لئے
آیات قرآنی اور احادیث کی ضرورت ہے اور وہ مجھے یاد نہیں" اپنی
جماعت کے فکری مزاج اور دل کے ماحول کا سارا راز بھی فاش کر دیا۔
مولانا تھانوی حافظ قرآن اور ایک محدث کی حیثیت سے اپنی جماعت میں
مشہور ہیں لیکن بد نصیبی کا ماتم کیجئے کہ اپنے نبی کے فضائل میں نہ انھیں کوئی آیت
یاد آئی اور نہ کوئی حدیث! عقل و فطرت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ آدمی انھیں
چیزوں کو یاد رکھتا ہے جن کی ضرورت اسے پیش آتی ہے۔ آخر ہوشیار
تاجر وہ مال ہی کیوں رکھے گا جس کا پوری مارکیٹ میں کوئی طلبگار نہ ہو۔
اتنے واضح اور بے لاگ اعتراف کے بعد دیوبندی مذہب کے وکلاء ہمیں
کیونکر مطمئن کر سکتے ہیں کہ رسول پاک کے ساتھ ان کے اکابر کا تعلق مخلصانہ
اور وفادارانہ ہے۔ البتہ یہ شکوہ پہلے بھی تھا اور آج بھی ہے کہ دلوں
میں جب گنجائش نہیں ہے تو زبان سے کلمہ پڑھ کر اہل اسلام کے ساتھ
یہ سنگین مذاق کیوں ہے۔ بد نصیب عباسی تو بے نقاب ہو کر منظر عام پر آیا
اور پٹ گیا۔ ہند و پاک کی کئی کروڑ مسلم آبادی اس کے منھ پر تھوک چکی
اور آپ بھی "حسین نمبر" کے ذریعہ اس کی گھائل پشت پر تازیانے رسید
کر رہے ہیں۔ لیکن دیوبند کے یہ سیاسی بازی گر جو اپنے چہروں پر خوبصورت
نقاب ڈالے ہوئے ہماری آبادیوں میں پھر رہے ہیں کوئی انھیں کیوں نہیں
چوراہے پر کھڑا کر دیتا۔

ایک طرف یزید کے حامیوں سے ان کے ساز باز ہیں اور دوسری طرف امام حسین رضی اللہ عنہ کے نیاز مندوں میں بیٹھ کر یہ مگرمچھ کے آنسو بہاتے ہیں۔ ایک طرف یہ صحابہ و اہلبیت کے مزارات مسمار کر دینے پر صحرائے نجد کے درندوں کو مبارکباد پیش کرتے ہیں اور دوسری طرف درگاہوں کا مجاوری کے لئے ہر جگہ سازشوں کا جال بچھاتے پھرتے ہیں۔ آخر مکر و فریب کی یہ تجارت کب تک جاری رہے گی اور یہی پردہ منافقت کا یہ کھیل کب تک کھیلا جاتا رہے گا

برصغیر کی پندرہ کروڑ مسلم آبادی میں ہے کوئی جسور و غیور مرد مومن جو ان حضرات کے نفاق کا پردہ چاک کر کے انھیں بے نقاب کر دے۔

معاف کیجئے گا جذبات کی رو میں خط بہت طویل ہو گیا مہلت ملی تو پھر کبھی آپ کی بزم نور میں شریک ہوں گا۔

شدت غم سے چھلک آئے ہیں آنسو ورنہ
مدعا میرا نہیں آپ سے شکوہ کرنا

(ماہنامہ نور کلکتہ دسمبر ۱۹۶۶ء)

دل کا کانٹا

جمشید پور کے ابو زہرہ نامی ایک شخص نے جون ۱۹۶۶ء کے شمارے میں ماہنامہ "تجلی" دیوبند کے ایڈیٹر مولانا عامر عثمانی سے دفع بلا کے سلسلے میں اس عربی شعر کی بابت جو زبان زد خلائق ہے' دریافت کیا ہے۔

لی خمسۃ اطفی بہا حر الوباء الحاطمۃ
المصطفی والمرتضی وابناهما والفاطمۃ

مدیر موصوف، جن کے مزاج کا پارہ رسول پاک، اہل بیت، اور اولیاء اللہ کے نام پر ہمیشہ چڑھا رہتا ہے، اثبات ونفی میں کتاب وسنت سے کوئی معقول دلیل پیش کرنے کے بجائے شناعتوں پر اتر آتے ہیں۔ انھوں نے لکھا ہے کہ:۔

"اس شعر کے پیچھے انھیں مسلمانوں کا نہیں "برہمنوں" کا ذہن نظر آتا ہے کیونکہ اس شعر میں رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل کے لیے معنوی عظمت واقتدار کا ایک کھلا ہوا اعتراف موجود ہے۔"

میں کہوں گا کہ رسول کی آل سے اتنی ہی جلن ہے اور ان کی نسلی برتری سے اتنا ہی تنفر ہے تو نماز جیسی اہم عبادت سے درود ابراہیمی کو بھی نکالکر الگ کر دیجیے کیونکہ اس میں بھی آل رسول کے حق میں بار بار رحمت وبرکت کی دعا مانگ کر ان کے خاندانی تفوق اور نسلی برتری کا اعتراف کرنا پڑتا ہے اگر اسلام میں "آل رسول" کو کوئی خاص درجۂ امتیاز حاصل نہیں ہے تو نماز جیسی افضل ترین عبادت میں بار بار ان کے نام کی تکرار کیوں ہے۔

پھر اسی عالم غیظ میں مدیر "تجلی" نے مولائے کائنات حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے نام پاک کے ساتھ خطبۂ جمعہ میں جو "مظہر العجائب والغرائب" لگایا جاتا ہے اس پر بھی نکتہ چینی فرمائی ہے حالانکہ بظاہر بھی اس میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے ان کا عقیدۂ توحید مجروح ہوتا ہو۔ حیرت انگیز معارضہ

کمالات کے اعتبار سے اگر حضرت مولا علی کی ذات کو مظہر عجائب و غرائب مان ہی لیا جائے تو آخر شرعًا اس میں کیا قباحت لازم آتی ہے اور ایمان و اسلام کا کون سا ستون ٹوٹ کے گر پڑتا ہے۔

اب دل کا کانٹا ملاحظہ فرمایئے کہ پچھلے دنوں مولا علی کے حق میں تو ایک جائز اور صحیح لقب بھی مدیر "تجلی" کو برداشت نہیں ہے لیکن اپنے جان عقیدت مولانا مودودی کی مصنوعی عظمت کو انھوں نے دن کے اجالے میں سجدۂ نیاز پیش کیا ہے اور ان کے عقیدۂ توحید کو ذرا بھی ٹھیس نہیں لگی ہے۔

پھر اور سنئے کہ مدیر "تجلی" کی آتش غیظ اتنے ہی پر نہیں سرد ہو گئی ہے بلکہ لگے ہاتھوں انھوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس واقعہ کا بھی انکار کر دیا ہے جو مقام صہبا میں پیش آیا تھا جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے زانو پر سر رکھ کر آرام فرما رہے تھے اور ان کی نماز عصر قضا ہو گئی تھی پھر حضور کی دعا سے ڈوبا ہوا سورج پلٹ آیا تھا۔ معلوم نہیں اس واقعہ کے انکار سے مدیر تجلی کا کیا مقصد ہے؟ وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جذبۂ اخلاص و عقیدت کا انکار کرنا چاہتے ہیں یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم الشان معجزے کا؟ کوئی مقصد ہو، دل کے کانٹے کا آخذ دا ہے۔ (جام کوثر کلکتہ اگست ۶۶ء)

کشمیر میں عید میلاد النبی

ماہنامہ "تجلی" دیوبند کے حاصل مطالعہ نمبر بابت جولائی و اگست ۱۹۶۶ء

ین کشمیر کے ایک صاحب نے مدیر "تجلی" سے ایک سوال دریافت کیا ہے سوال کی عبارت یہ ہے ۔

> میلاد النبی کی آمد آمد پر یہاں علماء کے طبقے میں خوب چہل پہل شروع ہو گئی ہے بریلوی طبقہ میلاد النبی کو جلسہ کی صورت میں منانے کا فتویٰ صادر کر رہا ہے اور آج ہی سے ڈیوڑھیوں، جلسوں، محرابوں اور دیگر "تماشوں" کا اہتمام کرنے میں مصروف ہے ۔ دوسری طرف اہل حدیث حضرات اس طریقے سے لوگوں کو منع کر رہے ہیں.... اس طرح ہمارے یہاں باہمی اختلاف کی فضا پیدا ہو گئی ہے.... آپ ہمارے اس عریضے کو تجلی میں شائع فرما کر اس پر مفصل بحث کریں ۔

اب میلاد النبی کے سوال پر مدیر "تجلی" کا عالم غیظ دیکھنے کے قابل ہے جلے ہوئے میخوار کی طرح قلم کا جنون ملاحظہ ہو ۔ فرماتے ہیں ۔

> عید میلاد النبی کے جلسے ابھی کچھ ہی دنوں سے ایجاد ہوئے ہیں ۔
>
> ("تجلی" بابت جولائی ۱۹۶۸ اگست)

عام طور پر محاورے میں "ابھی کچھ ہی دنوں" کے لفظ سے ہفتے دو ہفتے یا

مہینے دو مہینے کی مدت بھی جاتی ہے لیکن آپ یہ معلوم کر کے حیران رہ جائیں گے کہ مدیر تجلی نے "ابھی کچھ ہی دنوں" کے پیٹ سے آٹھ سو برس کی مدت کو جنم دیا ہے اور وہ بھی ایک لمحے میں مرغی پیدا کرنے والی مشین بھی اس ہنر کے آگے فیل ہو گئی ـــــ موصوف اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

> ان کی ابتدائی شکل بھی اسلام کے ابتدائی چھ سو سالوں میں کہیں نہیں ملتی لہٰذا اس میں تو کسی شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں کہ یہ ایک نو ایجاد چیز ہے۔

آٹھ سو برس کی اس نو ایجاد چیز اور اسے برقرار رکھنے والے مسلمانوں کو مدیر موصوف نے جو مہذب گالیاں دی ہیں ان کی بھی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں۔

> کہنے کو اس بدعت کی تحسین اور مدح میں بہت کچھ کہا جاتا ہے لیکن یہ اسی نوع کا ہے جس طرح عیسائی حضرات حضرت عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا ثابت کرنے اور اہل ہنود بت پرستی کی حکمتوں کے سلسلے میں بہت کچھ کہتے ہیں۔ "(تجلی دیوبند)"

ہماری مظلومی کے ساتھ انصاف کیجئے کتنی بیدردی کے ساتھ حرف آٹھ سو

برس کی نو ایجاد چیز ہونے کی بنیاد پر مدیر تجلی نے عید میلاد النبی کے جلسوں کا رشتہ کفر اور اہل کفر کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔

اب اس سے بھی زیادہ ایک نو ایجاد چیز کی تصویر ملاحظہ فرمایئے جماعت اسلامی کے یوم پیدائش کی تاریخ بتاتے ہوئے اسی تجلی میں خورشید احمد نام کے ایک ہمدرد جماعت رقمطراز ہیں۔

> ۲۵ر اگست ۱۹۴۱ء کو لاہور میں ایک تاریخی اجتماع ہوا اور مسلمانان ہند کے اس قلب میں ۷۵ خدا کے مخلص بندوں نے دین کے قائم کرنے کا حلف اٹھایا اور جماعت اسلامی قائم ہوئی۔

اس اجتماع کی روداد اتنے ہی پر نہیں ختم ہو جاتی آگے یہ دلچسپ کہانی بھی سنئے کہ اس کے بعد ٹھیک کسی نئے دین میں داخل ہونے کی طرح جماعت اسلامی میں بھی داخلے کا سلسلہ شروع ہوا۔ سب سے پہلے بانی جماعت مولانا مودودی کھڑے ہوئے اور انھوں نے یہ حلف نامہ پڑھا۔

> لوگو! گواہ رہو! کہ میں آج از سر نو ایمان لاتا ہوں اور جماعت اسلامی میں شریک ہوتا ہوں۔

نیا دین! نیا ایمان!! نئے مومن!!! کیا اہل انصاف اس نکتے

پر میرے ساتھ انصاف کریں گے کہ آٹھ سو برس کے جلسۂ عید میلاد النبی پر تو مدیر تجلی اس قدر برہم ہیں کہ اس کا رشتہ عیسائیت اور بُت پرستی کے ساتھ جوڑنے میں بھی انھیں کچھ تامل نہ ہوا لیکن جماعت اسلامی جو آج سے صرف پچیس ۲۵ برس پہلے کی نو ایجاد چیز ہے وہ ان کے نزدیک اتنی مقدس، اتنی واجب الاحترام اور اتنی باعظمت ہے کہ انھوں نے اس کے بانی مولانا مودودی کو دل کے اجالے میں سجدہ ہائے نیاز کا خراج پیش کیا ہے۔ (حوالہ کے لیے ملاحظہ ہو "تجلی" فروری ۶۳ء صفحہ ۵۴)

اگر نو ایجاد ہی ہونا عید میلاد النبی کے جلسوں کی حرمت کا سبب ہے تو سب سے زیادہ نو ایجاد تو خود یہ "جماعت اسلامی" ہے اس کے وجود پر حرمت کا حکم کیوں نہیں لگایا جاتا۔

حسرت پامال

کشمیری مسلمانوں کے جوش عقیدت اور روحانی و ایمانی ولولوں کی داستان شوق سُن کر مدیر "تجلی" تلملا اٹھے ہیں۔ اسی "حاصل مطالعہ نمبر" میں انھوں نے اپنے بائیں بازو والے قوم پرست مولویوں کو للکارتے ہوئے لکھا ہے۔

> ہم نے تو بارہا اپنے علماء کو توجہ دلائی کہ تم جو "کشمیر ہمارا ہے" کی رٹ لگاتے رہتے ہو تو کیوں نہیں کشمیر جاتے اور وہاں کے مسلمانوں کو دین کی حقیقی تعلیمات سے روشناس کرا کے جہالت و بدعت کا قلع قمع کرتے
>
> (حاصل مطالعہ نمبر ۱)

کشمیر تو خیر حضرت بال" کا دیارِ عشق ہے وہاں محبت و ایمان کے لالہ زاروں کی کیا کمی ہوسکتی ہے عید میلاد کی بزم عقیدت، ذکر حبیب کی محفلیں اور سرفروشانِ حق کی مجلسیں وہاں نہیں منعقد ہوں گی تو پایا جائے گا برصغیر ہند میں اور کہاں جنت کی سرزمین ہے ـــــ لیکن قیامت تو یہ ہے کہ ان" غازیان شروفساد" کا توپ خانہ جہاں نصب ہے اور جسے عرف عام میں "دیوبند" کہا جاتا ہے وہاں بھی بہ سخت جان اور ناقابل تسخیر "عید میلاد النبی" اپنی فتح و شوکت کے ڈنکے بجا رہی ہے۔

حسرتوں کی لاش پر مدیر "تجلی" کا یہ دردانگیز مرثیہ پڑھنے کے قابل ہے

> قسمت کی خرابی یہ ہے کہ عید میلاد النبی کی بدعت ہماری اپنی طرف بھی خوب مروج ہوگئی ہے۔
>
> "تجلی" حاصل مطالعہ نمبر

زندہ و پائندہ باد! آندھیوں کی زد پر جلنے والے چراغ عشق و ایمان! شاید اسی موقعہ کے لئے کسی کے تخیل میں یہ شعر موزوں ہوا تھا۔

کہیں پھونکوں سے بجھتی ہے تجلی نورِ ایماں کی
ہوا اور دے تو کشتی تیز چلتی ہے مسلماں کی

ایک اور سجدۂ نیاز

اپنی جماعت کے سب سے بڑے توحید پرست اور بت شکن مجاہد، مولانا عامر عثمانی مدیر تجلی،

جن کے یہاں اہل اللہ کے مزار پر ہاتھ باندھتے ہی سو برس کا ایمان ایک لمحے میں غارت ہو جاتا ہے انھوں نے ایک بار ۱۹۶۳ء میں اپنے مرشد طریقت مولانا مودودی کے آستانے پر سجدۂ نیاز لگایا تھا اور اب پھر ۱۹۶۶ء میں اپنے رفیق جماعت جناب وحید الدین خاں صاحب کے حضور میں اپنے قلم کی جبین نیاز کا سجدۂ بے اختیار گزارا ہے۔

چنانچہ مدیر موصوف ان کی ایک کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> اور آج جبکہ ان کی تازہ کتاب کو خدمت حق کا ایک انمول نمونہ تصور کرتے ہوئے ہم اپنے قلم کی جبین نیاز ان کی بارگاہ میں جھکا رہے ہیں تو یہ سجدۂ بے اختیار ان کی ذات کو نہیں اُس حق کو ہے جس کے آگے پوری کائنات خواہی نخواہی سجدہ ریز ہے۔
>
> ("تجلی" مطالعہ نمبر)

ذرا وقت کی یہ نیرنگی ملاحظہ فرمایئے! کل جب ہم کہتے تھے کہ ہماری عقیدتوں کا یہ خراج صاحب مزار کی ذات کے لئے نہیں بلکہ اس جلوہ حق کے لئے ہے جس کے آگے پوری کائنات خواہی نخواہی سجدہ ریز ہے۔ تو عقیدۂ توحید کے یہ اجارہ دار گلے پھاڑ پھاڑ کر ہمارے جذبۂ عقیدت کا مذاق اڑاتے تھے اور اسلام و ایمان کی ہزار بوجھل شہادتوں کے باوجود ہماری نشاندہی کے لئے "مشرک" سے نیچے کا کوئی لفظ ہی انھیں نہیں ملتا تھا لیکن آج اپنے مرکز عقیدت کا سوال آگیا ہے تو کل کا سارا شرک و کفر ایک لمحے میں ایمان و اسلام

ست بدل گئی۔

پیرہن پھاڑلیں غنچے تو وہ زینت ٹھہرے
ہم گریباں بھی کریں چاک تو رسوائی ہے

بیس ہزار کی بزم

جماعت اسلامی کے آرگن روزنامہ دعوت دہلی مورخہ ۲۸ر جولائی ۱۹۶۶ء کی اشاعت میں جماعت اسلامی ہند کی مجلس شوریٰ منعقدہ دہلی کی جو روداد شائع ہوئی ہے اس میں کل ہند اجتماع کے لئے بیس ہزار کا بجٹ منظور کیا گیا ہے محافل میلاد میں چند موم بتیوں اور چند جھنڈیوں کا بار جن کی نگاہ نہیں برداشت کرسکتی یاللعجب! کہ آج انھوں نے اپنی پلکوں پر ایک شہر بسانے کا فیصلہ کیا ہے ——— گردش ایام زندہ باد۔

توبہ شکن موسم

جوں جوں الیکشن کا زمانہ قریب آتا جارہا ہے چہروں کا نقاب اٹھتا جاتا ہے۔ اس موسم بہار میں جماعت اسلامی بھی آہستہ آہستہ سیکڈے کی طرف بڑھ رہی ہے چنانچہ اسی مجلس شوریٰ میں جماعت اسلامی نے الیکشن سے متعلق بھی دو نہایت اہم تجویزیں منظور کی ہیں۔

پہلی تجویز کا متن ملاحظہ فرمائیے۔

| عام انتخابات ۱۹۶۷ء کے انعقاد سے پہلے جبکہ مختلف حلقوں سے

انتخاب سے کھڑے ہونے والے امیدواروں کے نام سامنے آچکے ہوں!
مجلس شوریٰ کا اجلاس بلایا جائیگا جو یہ فیصلہ کرے گا کہ کس حلقۂ انتخاب
میں ارکان جماعت پر سے وہ پابندی ہٹائی جائے یا نہ ہٹائی جائے
جو ووٹ دینے کے سلسلے میں ان پر اب بھی عائد ہے۔

(دعوت دہلی ۲۸ر جولائی ۱۹۶۶ء)

سوال یہ ہے کہ آج سے چند سال پیشتر آپ حضرات نے باطل نظام حکومت کی تشکیل کے لئے ووٹ دینے کے سلسلے میں جو پابندی اپنے ارکان جماعت پر عاید کی تھی وہ اگر اسلام کی طرف سے تھی تو آج بھی اسلام کا وہی آئین ہے آج بھی وہی باطل نظام حکومت ہے پابندی اٹھانے والے آپ کون؟ اور اگر اسلام کی طرف سے نہیں تھی تو اہل اسلام پر کسی جائز چیز کو حرام قرار دینے کا اختیار آپ کو کس نے دیا اور صرف اپنی صوابدید پر اسے برقرار رکھنے والے آپ کون؟ اسلام کا دفتر قانون کچھ آپ کی جماعت کا دستور تو نہیں ہے کہ جب چاہا نافذ کردیا جب چاہا منسوخ کر دیا۔

دوسری تجویز میں دل کا چور پوری طرح بے نقاب ہو گیا ہے ملاحظہ ہو:

موجودہ نظام حکومت کو غیر اسلامی اور خلاف حق سمجھتے ہوئے اسلام اور مسلمانوں کے اہم مفادات کے لئے الکشن میں حصہ لینا جائز ہے۔

(دعوت دہلی)

"اسلام اور مسلمانوں کے اہم مفادات" کا نام لے کر چھپنے کی کوشش نہ کیجئے ووٹ پر سے پابندی ہٹانے کا راز سمجھ میں آگیا۔ کل گزشتہ تک آپ حضرات کے نزدیک الیکشن میں حصہ لینا جائز نہیں تھا آج "اسلام اور مسلمانوں کے اہم مفادات" کے نام پر جائز ہو گیا۔ کچھ بعید نہیں ہے کہ "جماعت اسلامی" اپنے جوڑ توڑ میں کامیاب ہو گئی تو اسی اہم مفادات کے نام پر کسی پارٹی سے آپ ہمارا سودا بھی کر لیجئے گا۔

(جام کوثر کلکتہ ۵ر اگست ۱۹۶۲ء)

دو اسلام

بعض احباب کے اصرار پر مشہور منکر حدیث اور فرقۂ اہل قرآن کے مایۂ ناز صاحب قلم "ڈاکٹر غلام جیلانی برق کی کتاب "دو اسلام" کا تنقیدی جائزہ ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے برق صاحب نے اپنی اس رسوائے زمانہ کتاب میں یہ ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے کہ اسلام ایک نہیں بلکہ دو ہے ایک اسلام قرآن میں ہے اور دوسرا اسلام حدیثوں کے انبار کے نیچے دبا ہوا ہے۔ برق قرآن والے اسلام کے ساتھ ہے حدیث والے اسلام سے اسے سخت نفرت و انکار ہے۔

زمانے میں اس سے زیادہ سفید جھوٹ تصنیف نہیں کیا جا سکتا کہ خدا ایک، رسول ایک، لیکن اسلام دو۔ ایک ہی زبان کے نکلے ہوئے الفاظ کو ہم نے دو ناموں سے جانا۔ سنانے والے نے آیات خداوندی کہہ کر سنایا تو قرآن کہلایا اپنی طرف سے کہا تو حدیث نام پڑ گیا اور طرفہ تماشا یہ کہ جن ہستیوں نے

قرآن ہم تک پہونچا یا انھی ہستیوں کے ذریعہ حدیث بھی ہم تک پہونچی۔ اگر قرآن کے سلسلے میں ان کی دیانتداری مسلم تھی تو حدیث کے معاملے میں کیوں ناقابلِ اعتماد ٹھہر گئی۔

پوری کتاب میں ورق ورق پر اس کج فہمی کا ماتم ہے کہ برق اس بنیاد ہی سے ناواقف ہے کہ قرآن کیا ہے اور حدیث کیا ہے۔ علم کے ساتھ دینی بصیرت کا بھی کچھ حصہ ملا ہوتا تو آسانی سے یہ نکتہ سمجھ میں آجاتا کہ حدیث کوئی الگ چیز نہیں ہے بلکہ پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے قرآن واسلام کے حواشی اور تشریحات و تفصیلات کے مجموعے کا نام حدیث ہے۔

پھر اگر یہ حق پیغمبر کو نہیں ہے تو بتایا جائے کہ روئے زمین پر کون اس منصب کا استحقاق رکھتا ہے یا پھر بغاوت ہی کا اگر مظاہرہ کرنا ہے تو کھل کر یہ کیوں نہیں کہہ دیا جاتا کہ قرآن واسلام کے سمجھنے کے لئے ہم پیغمبر کی تشریح کے محتاج نہیں ہیں۔

حدیث کی دشمنی میں برق صاحب نے اپنی اس کتاب کے اندر دیانت و شرافت کا جس بیدردی کے ساتھ خون کیا ہے اس کے چند نمونے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱)

بخاری شریف کی حدیث ہے۔ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔

كنتُ اغتسلُ انا والنبي صلى الله عليه وسلم من اناءٍ واحدٍ

میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے پانی لیکر غسل کرتے تھے۔

بخاری شریف جلد اول صفحہ ۳۹ بحوالہ دو اسلام صفحہ ۱۶۵

اب اس حدیث پر برق کا افترا ملاحظہ فرمائیں۔ حدیث کے ذیل میں لکھتا ہے۔

> مطلب یہ ہے کہ حضور ازواج کے ہمراہ برہنہ غسل فرمایا کرتے تھے دنیا میں کوئی عورت برداشت نہیں کر سکتی کہ وقت مباشرت کے علاوہ اس کا شوہر اسے برہنہ دیکھ سکے۔ (دو اسلام صفحہ ۱۶۵)

اس ظالم مفتری سے کوئی پوچھے کہ حدیث کے کس لفظ کا یہ ترجمہ ہے کہ معاذ اللہ حضور اپنی ازواج کے ہمراہ برہنہ ہو کر غسل فرمایا کرتے تھے۔ حدیث کا تو صرف اتنا مفہوم ہے کہ ایک ہی برتن سے پانی لیکر حضور اور عائشہ پاک غسل فرمایا کرتے تھے۔ صرف غسل کے لفظ سے برہنگی کا مطلب نکال لینا دل کے چھپے ہوئے نفاق کی برہنگی کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔

حدیث کی عداوت میں رسول محترم اور حرمات طیبات پر بھی بہتان تراشتے ہوئے ظالم کو ذرا شرم نہیں آئی: اپنی غیرت عقیدت مر گئی تھی تو کم از کم فدایان رسول ہی کی غیرت محبت کا لحاظ کیا ہوتا۔

(۲)

حدیث کی روایات کے درمیان تضاد ثابت کرنے کے لئے "دو اسلام" کا مصنف ایک جگہ لکھتا ہے۔

حضرت علی کا قول ہے۔

نہانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَنْ اَقْرَأَ الْقُرْآنَ رَاکِعًا اَوْ سَاجِدًا	مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع و سجود میں قرآن پڑھنے سے روک دیا۔

(مسلم شریف جلد دوم)

لیکن حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ ان رسول اللہ کان یقول فی رکوعہ وسجودہ سبوحٌ قدوسٌ ربُّ الملٰئکۃِ والروح کہ حضور رکوع و سجود میں یہ آیت پڑھا کرتے تھے یعنی سبوحٌ قدوسٌ (آخر تک)۔ (مسلم ج ۲ صفحہ ۹۶) (دو اسلام صفحہ ۲۰۳)

احادیث نقل کرنے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ظالم یہ بہتان تراشتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ حضور ایک حکم دے کر خود ہی اسے توڑ دیا کرتے تھے۔
(دو اسلام صفحہ ۲۰۳)

اس جھوٹے مفتری سے کوئی پوچھے کہ سبوحٌ قدوسٌ ربُّ الملٰئکۃِ

والمسح قرآن میں کہاں ہے اور یہ کس پارے کی آیت ہے؟ صرف رسول اکرم پر بہتان تراشنے اور حدیث میں تضاد ثابت کرنے کے لئے ظالم نے ایک عربی فقرے کو قرآن کی آیت بنا دیا ہے۔ اگر یہ شرارت از راہ جہالت ہے تو اس سے زیادہ شرمناک جہالت کا تصور ناممکن ہے۔ جنھیں قرآن اور غیر قرآن میں بھی تمیز نہیں ہے وہ کس منھ سے اپنے آپ کو اہل قرآن کہتے ہیں اسی مبلغ علم پر احادیث کا ذخیرہ جلا کر قرآن کی حکومت قائم کرنے کا انھیں غرور باطل ہے اور اگر یہ دانستہ تحریف اور جانی بوجھی خیانت کاری ہے اور قرائن شاہد ہیں کہ ایسا ہی ہے تو اس سے زیادہ کھلا ہوا کفر اور قرآن کے خلاف اس سے زیادہ مجرمانہ ذہن اور کیا ہو سکتا ہے۔

دنیا میں حدیث کی دشمنی نے تحریف قرآن تک پہونچا دیا اب اسی حال میں اگر موت آگئی تو جہنم تک پہونچنے میں کیا دقیقہ باقی رہ گیا ہے۔

پھر حدیث کے ترجمے میں دوسری تحریف یہ کی گئی ہے کہ حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالے عنہا کے بیان میں اپنی طرف سے یہ فقرہ بڑھا دیا گیا ہے کہ "یہ آیت پڑھا کرتے تھے"۔ حالانکہ حضرت عائشہ نے صرف یہ بیان کیا ہے کہ کان یقول حضور یہ کہا کرتے تھے۔ آیت پڑھنے کا کوئی لفظ ان کی حدیث میں نہیں ہے۔ ظالم سے کوئی پوچھے کہ "یہ آیت پڑھا کرتے تھے" زیر بحث حدیث کے کس لفظ کا ترجمہ ہے۔

حیرت ہے اس دلیری پر کہ دوپہر کے اجالے میں بھی حدیث کی چوری کرتے ہوئے ذرا جھجک محسوس نہیں ہوتی۔ کم از کم اتنا تو سوچنا

چاہیے تھا کہ مسلم شریف ابھی دنیا سے ناپید نہیں ہوئی ہے۔ ہر جگہ دستیاب ہو سکتی ہے۔ اس کے پڑھنے اور سمجھنے والے بھی ہر جگہ موجود ہیں۔ آخر ایک عالم گیر کتاب کی یہ چوری چھپ کیسے سکتی ہے۔ سچ فرمایا گیا ہے۔

بے حیا باش وہر چہ خواہی کن

(۴۳)

نقل میں خیانت کی ایک ننگی تصویر اور ملاحظہ فرمائیں۔

اسلام کے معمولات اور احادیث میں تضاد ثابت کرتے ہوئے لکھا ہے۔

> ہم ظہر، عصر اور عشار کی نماز میں چار چار رکعت پڑھتے ہیں لیکن موطا کتاب الصلوٰۃ صفحہ ۴۲ میں درج ہے ان عمر ابن الخطاب کان یقول صلوٰۃ اللیل والنہار مثنیٰ مثنیٰ۔ عمر ابن خطاب فرمایا کرتے تھے کہ رات اور دن کی نماز صرف دو دو رکعت ہے۔
>
> (دو اسلام صفحہ ۱۹۶)

تمام انسانوں کی پھٹکار ہو ایسے خیانت کاروں پر جن کے ہاتھوں سے دین کی آبرو بھی محفوظ نہیں ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت نفل نمازوں کے متعلق ہے اور غضب دیکھئے کہ ظالم نے اسے چسپاں کر دیا فرض نمازوں پر۔ چنانچہ موطا نام کی جس کتاب سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے اس کے باب ہی میں یہ صراحت موجود ہے

باب کے الفاظ یہ ہیں ۔ باب ۱۷۔ فضل فی نافلۃ اللیل والنہار ان یکون مثنیٰ مثنیٰ ۔ یعنی یہ باب اس امر کے بیان میں ہے کہ دن اور رات کے نوافل دو دو رکعت کر کے پڑھنا افضل ہے ۔

اسی باب کے ذیل میں حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث روایت کی ہے ۔

روئے زمین پر ایسے کروڑوں افراد موجود ہیں جو خدا کا انکار کرتے ہیں، رسول کو رسول نہیں مانتے، قرآن کو خدا کی کتاب تسلیم نہیں کرتے۔ [illegible] ن انھیں مجبور کر سکتا ہے کہ تم اپنی رائے بدل دو ۔ آج برق اور دوسرے منکرین حدیث اگر حق سے بغاوت پر آمادہ ہیں تو ہم زبردستی انھیں مومن نہیں بنا سکتے لیکن دنیا کا کوئی بھی شریف انسان اس طرح کا جرائم پیشہ ذہن ہرگز نہیں برداشت کر سکتا ۔ کسی چیز کو ماننا نہ ماننا بالکل اختیاری چیز ہے لیکن دھوکہ، فریب اور جعل سازی کو دنیا نے ہمیشہ اخلاقی رذائل کی فہرست میں سرورق پر جگہ دی ہے ۔

(۴)

ترجمے کی ایک شرمناک خیانت اور ملاحظہ فرمائیں ۔ برق ایک حدیث نقل کرتا ہے :

> حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ کنت انام بین یدی رسول اللہ صلعم ورجلای فی قبلتہ فاذا سجد غمزنی فقبضت

رجلی فاذا قام بسطتهما والبیوت لیس فیها مصابیح
(بخاری ج ۱ ص۵۵) "میں نماز میں حضور کے سامنے پاؤں ان کی طرف پھیلا کر لیٹ جاتی تھی جب وہ سجدہ کرنے لگتے " مجھے آنکھ سے اشارہ کر دیتے چنانچہ میں پاؤں سمیٹ لیتی اور جب وہ اٹھتے تو پھر پھیلا دیتی اور گھر میں چراغ موجود نہیں تھا (یعنی بالکل اندھیرا تھا)۔
(دو اسلام ص۱۶۳)

اس خیانت آمیز ترجمے کے بعد حدیث کا مذاق ان لفظوں میں اڑایا گیا۔

یہ اندھیرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارۂ ابرو کو دیکھ لینا حضرت عائشہ ہی کا کمال ہو سکتا ہے۔ (دو اسلام ص۱۶۳)

جہل و خیانت کے ساتھ بدتمیزی کی اس سے زیادہ شرمناک مثال دنیا میں نہیں مل سکتی۔ اپنی علمی بصیرت کے افلاس اور فکر و نظر کی تہیدامنی کا مذاق اڑانے کے بجائے مسخرے نے حدیث کا مذاق اڑایا ہے غمزنی کے معنی اگر خود نہیں معلوم تھے تو بھائی بندوں سے پوچھ لیا ہوتا اور اگر پوری برادری ہی کنگال تھی تو عربی زبان کی مستند ڈکشنری المنجد ہی کھول کر دیکھ لیا ہوتا تو پتہ چل جاتا کہ غمزنی کا صحیح ترجمہ مجھے ہاتھ سے ٹھوکا دیتے تھے، ہے "مجھے آنکھ سے اشارہ کر دیتے تھے" نہیں ہے۔

کتنا بڑا ظلم ہے کہ خود ہی غلط ترجمہ کیا اور اپنے ہی ترجمے سے جو مضحکہ خیز معنی پیدا ہو گئے تو اسے حدیث کی طرف منسوب کر کے حدیث کا مذاق بھی اڑایا۔

فکر کی لغزش معاف کی جا سکتی ہے لیکن اہانت انگیز شرارت کا جواب سوائے نفرت و تعزیر کے اور کیا ہے۔

(۵)

حدیث کی دشمنی اور اسلام سے بغاوت کا ایک شرمناک نمونہ اور ملاحظہ فرمائیں۔ "دو اسلام" میں برق حضرت عطا ابن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے ایک حدیث نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

> عطاء ابن یسار کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے دریافت کیا کہ کیا تورات میں حضور پر نور کے متعلق کوئی آیت موجود تھی کہا کیوں نہیں۔ آپ کے متعلق یہ آیت تورات میں موجود ہے یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا وَّحِرْزًا لِّلْاُمِّیِّیْنَ ○ اے رسول! ہم نے تمہیں شاہد، بشیر نذیر اور ان پڑھ عربوں کا محافظ بنا کر بھیجا
>
> (دو اسلام صـ ۱۵۲)

ذرا دیانت ملاحظہ فرمائیں کہ دریافت کرنیوالے نے "کوئی آیت موجود تھی"

کے متعلق دریافت کیا تھا جواب دینے والے نے بھی اسی سوال کا جواب دیا۔ لیکن ظالم نے اپنی طرف سے یہ فقرہ حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب کر دیا کہ آپ کے متعلق یہ آیت تورات میں موجود ہے۔ "ہے" کے ساتھ یہ فقرہ صرف اس لئے بڑھایا گیا ہے تاکہ حدیث کو غلط ثابت کرنے کے لئے آج تورات کے صفحات کھول کر دکھلا دیئے جائیں کہ یہ آیت تورات میں کہیں موجود نہیں ہے۔ جیسا کہ اس حدیث کے بعد ہی لکھتا ہے تورات کو الف سے یار تک پڑھ جاؤ یہ الفاظ کہیں نہیں ملیں گے۔

یہ لکھنے کے بعد برق کو خیال آیا کہ تورات میں تو تحریف ہو چکی ہے اگر وہ آیت نہیں ملی تو حدیث کا جھوٹ کیونکر ثابت ہو سکے گا جیسا کہ برق نے خود ہی اس کا اظہار کیا ہے۔ لکھتا ہے۔

> ممکن ہے آپ یہ کہہ دیں اجی صاحب تورات میں اس قدر تحریف ہو چکی ہے کہ اس کی کوئی کل سیدھی نہیں رہی یہ آیت ملے تو کہاں سے۔
>
> (دو اسلام صفحہ ۱۵۲)

یہ سوال اٹھانے کے بعد اب تورات کو غیر محرّف اور اصلی حالت میں ثابت کرنے کے لئے ظالم نے ایسے ایسے گل کھلائے ہیں کہ ناطقہ بھی سر بہ گریباں ہے علم بھی ماتم گسار ہے اور عقل و دیانت بھی شرمندہ ہے۔ لکھتا ہے۔

> حضرت مسیح نے اعلان کیا تھا کہ جب تک زمین و آسمان نہ ٹل جائیں

ایک حرف یا شوشہ توراۃ سے ہرگز نہیں مٹے گا۔ (انجیل متی باب ۵ آیت ۱۰) اگر توراۃ محرف ہو چکی تھی تو حضرت مسیح اتنے زور سے یہ اعلان کیوں کرتے۔

(دو اسلام صفحہ ۱۵۶)

دلیل کا جب کوئی معیار ہی نہیں ہے تو انجیل سے صفائی پیش کرنے کی کیا ضرورت تھی توراۃ کی صفائی میں توراۃ ہی سے کوئی آیت پیش کر دی گئی ہوتی۔ حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ تحریف کا جو الزام توراۃ پر ہے وہی انجیل پر بھی ہے۔ انجیل کی خود اپنی پوزیشن جب صاف نہیں ہے تو وہ دوسرے کی صفائی میں کیا زبان کھول سکتی ہے۔

اس کے بعد پھر خیال آیا کہ توراۃ کی تحریف کا مسئلہ تو ایک ثابت شدہ عقیدے کی حیثیت سے اسلام میں جگہ پا چکا ہے۔ صرف انجیل کے بیان سے اس پر کیسے پردہ ڈالا جا سکتا ہے تو لوگوں کا منہ بند کرنے کیلئے دجل و فریب کا ایک نیا دروازہ کھولنا پڑا۔

ممکن ہے آپ سوچ رہے ہوں کہ وہ جو قرآن میں یہود کے متعلق لکھا ہے کہ وہ توراۃ میں تحریف کیا کرتے تھے اس کا کیا مطلب ہے؟ مطلب میں سمجھائے دیتا ہوں۔ تحریف کے دو معنی ہیں۔ الفاظ کو بدلنا یا آیات کی من مانی تفسیر کرنا۔ چونکہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ توراۃ اصلی حالت میں موجود تھی اس لئے وہاں تحریف کا دوسرا مطلب لیا جائیگا (دو اسلام صفحہ ۱۶۱)

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ صرف آیات کی تفسیر میں من مانی کرتے تھے الفاظ و کلمات میں کوئی رد و بدل نہیں کرتے تھے۔ حدیث کا انکار تو تھا ہی لیکن اب تورات کی حمایت میں قرآن کا بھی انکار کر دیا گیا۔ جب کہ قرآن کھلے لفظوں میں یہود کے متعلق صراحت کرتا ہے کہ وہ الفاظ و کلمات میں بھی رد و بدل اور تحریف کرتے تھے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے۔

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ یعنی یہود الفاظ کلمات میں تحریف کرتے ہیں اتنی صراحت کے باوجود برق کو اصرار ہے کہ تورات اصلی حالت میں موجود ہے قرآن کی صراحت کے مطابق جس کتاب کے الفاظ و کلمات تک بدل ڈالے گئے ہوں اسے اصلی حالت میں موجود ماننا یا تو جہل عظیم ہے یا اہل کتاب کی ہمنوائی میں قرآن کے خلاف بدترین سازش اور کھلا ہوا نفاق ہے۔

اب ان ساری ہرزہ سرائیوں کے پیچھے منکرین حدیث کے دلوں کا چور اگر دیکھنا چاہتے ہوں تو برق کی یہ تحریر ملاحظہ فرمایئے۔ دوپہر کے سورج کی طرح واضح ہو جائیگا کہ اسلام میں ظن و تشکیک کا ایک نیا فتنہ برپا کرنے کا اصل مدعا کیا ہے۔

اسلام کسی زبانی اقرار کا نام نہیں بلکہ نیکی کا نام ہے۔ اگر ایک عیسائی نیکی کر رہا ہے تو وہ قرآن کی رو سے مسلمان ہے۔ رسول و قرآن کا صحیح پیرو وہی ہے جو نیک ہو۔ نہ وہ جو کلمہ پڑھ رہا ہو اور سائے

جہان کی بدمعاشیاں کرتا پھرے۔ آپ کے ہاں اسلام چند عقائد کا نام ہے اور قرآن کے نزدیک صرف نیکی کا نام ہے اس لئے خدا اور رسول کا صحیح پیرو وہ ہے جو ان احکام پر عمل کر رہا ہے خواہ اس پر عیسائیت کا لیبل لگا ہوا ہو یا یہودیت کا۔ (دو اسلام صفحہ ۱۶۰)۔

یہودیت کی خوشنودی کے لیے بھٹکتے ہوئے ڈالر پر ایمان ہی بیچنا ہے تو قرآن اور رسول کا نام کیوں لیا جا رہا ہے اسلام میں عقیدوں کو کوئی بنیادی اہمیت حاصل نہیں ہے تو بلاوجہ قرآن کے تیس پاروں میں یوم آخرت، جنت، دوزخ، فرشتوں، انبیائے سابقین، پچھلی کتابوں، قرآن اور پیغمبر آخر الزماں پر ایمان لانے اور عقیدہ رکھنے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ خاتم المرسلین کے اس عہد میمون میں بھی اگر یہودیت و عیسائیت خدا کی خوشنودی، رسول پاک کی پیروی اور نجات اخروی کا پسندیدہ راستہ ہے تو بلاوجہ قرآن میں یہ وارننگ دی گئی ہے کہ اسلام کے علاوہ کوئی دین خدا کے یہاں قابل قبول نہیں ہے اور پھر قرآن کی طرح موجودہ تورات اور انجیل پر عمل بھی اگر نجات اخروی کا ضامن ہے تو منکرین حدیث اپنے آپ کو اہل قرآن کے بجائے" اہل تورات و انجیل کیوں نہیں کہتے۔ چہروں پر قرآن کا نقاب ڈال کر اہل اسلام کو کب تک وہ فریب میں مبتلا رکھیں گے۔

اب حالات کا ذرا یہ عبرت ناک تماشا ملاحظہ فرمایئے کہ حدیث کے انکار نے ظالموں کو کہاں سے کہاں پہونچا دیا۔ حدیث کا جھوٹ ثابت کرنے

کے لئے اسلام کے اصولوں کا بھی خون کرنا پڑا اور اب اخیر میں یہودیت وعیسائیت کو اسلام کے دوش بدوش لاکھڑا کر دیا گیا۔

گہرائی میں اتر کر اگر خانہ تلاشی کی جائے تو کچھ بعید نہیں ہے کہ انکار حدیث کا یہ سارا کھیل تل ابیب کے سوداگروں اور مغرب کے پاپاؤں کی شہ پر کھیلا جا رہا ہو۔

(۶)

اب اخیر میں خیانت وتحریف اور ذہانت وعیاری کا ایک عبرت انگیز تماشا اور ملاحظہ فرمائیے۔ شب قدر کے بارے میں گل افشانی فرماتے ہیں:

> مسلمانوں کے ہر طبقے میں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ رمضان کے آخری عشرے میں ایک رات لیلۃ القدر کہلاتی ہے۔ اس کی خاص علامات یہ ہیں کہ زمین و آسمان بقعۂ نور بن جاتے ہیں۔ کائنات کی ہر چیز سجدہ میں گر جاتی ہے اور اس وقت جو بھی دعا مانگی جائے قبول ہو جاتی ہے۔ اس رات کی تلاش میں ہمارا ایک طبقہ ہفتہ بھر جاگتا رہتا ہے۔

(دو اسلام ص۱۳۸)

اس کے بعد تحقیق کی ٹانگ توڑی جاتی ہے۔ قرآن کے ترجمے میں من مانی تحریف کا بھی ذرا جلوہ دیکھئے۔

ارشاد فرماتے ہیں ــــــــ

اس میں کلام نہیں کہ قرآن حکیم میں لیلۃ القدر کا ذکر آیا اِنَّا اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ ہم نے یہ قرآن لَیْلَۃِ الْقَدْرِ یعنی فیصلہ کن رات میں اتارنا شروع کیا۔

لیکن وہ لیلۃ القدر حدیث والی لیلۃ القدر سے الگ چیز ہے اس کا مفہوم ہے ایک فیصلہ کن رات یعنی حق و باطل کے جھگڑے کو چکا دینے والی اور قیصر و کسریٰ کی تقدیر کا فیصلہ کر دینے والی رات اور اس میں قطعاً کوئی مبالغہ نہیں تھا کہ جس مقدس رات میں یہ انقلابی کتاب دنیا کو دی جا رہی تھی وہ رات یقیناً تمام نسلِ انسانی کے لئے فیصلہ کن رات تھی۔

(دو اسلام صفحہ ۱۳۸)

اب ذرا فہم و فراست کا تماشا دیکھئے! حدیث والی لیلۃ القدر تو رمضان المبارک کے آخری ہفتے میں ہے لیکن آپ کا کہنا ہے کہ آپ کی فرضی لیلۃ القدر حدیث والی لیلۃ القدر سے الگ تھلگ چیز ہے جس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ وہ رمضان المبارک میں نہیں ہے حالانکہ قرآن کہتا ہے شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا۔

یہ تسلیم ہے کہ یہ انقلابی کتاب لیلۃ القدر ہی میں دنیا کو دی گئی لیکن یہ تسلیم نہیں ہے کہ لیلۃ القدر رمضان المبارک میں ہے اب انصاف سے

بتایا جائے کہ قرآن کا انکار کون کر رہا ہے آپ یا حدیث؟

قرآن نے مہینہ متعین کیا حدیث نے ہفتے کی نشاندہی کر دی' بتایا جائے کہ دونوں میں کیا منافات ہے۔ آخری ہفتہ بھی تو آخر رمضان ہی کا حصہ ہے۔ قرآن کی خلاف ورزی تو آنجناب کر رہے ہیں کہ لیلۃ القدر کو جو نزول قرآن والی رات ہے اسے رمضان سے باہر نکال دیا۔

لیلۃ القدر کے سلسلے میں اوپر دو اسلام کی جو عبارت نقل کی گئی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ لیلۃ القدر دنیا کو ایک ہی بار نصیب ہوئی تھی وہ بار بار نہیں آتی۔ حالانکہ اسی سورۃ القدر میں یہ آیت بھی ہے تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا یعنی اس رات میں فرشتوں اور روح کا نزول ہوتا ہے بلکہ یہاں تک بتا دیا گیا ہے کہ یہ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ یہ سلسلہ طلوع فجر تک رہتا ہے۔ ان آیتوں سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ لیلۃ القدر ایک ہی بار نہیں آئی تھی ان اوصاف کے ساتھ وہ بار بار آتی ہے بہرحال کہنا یہ ہے کہ حدیث میں لیلۃ القدر کے متعلق جو کچھ بیان کیا گیا ہے قرآن میں اس کے لئے واضح اشارات موجود ہیں لیکن دو اسلام کے مصنف نے لیلۃ القدر کی یہ نئی تفسیر جو تصنیف فرمائی ہے کہ "وہ حق و باطل کے جھگڑے چکا دینے والی اور قیصر و کسریٰ کی تقدیر کا فیصلہ کر دینے والی رات ہے" سوائے دماغی اُپج کے اور کیا ہے۔ قرآن میں اس طبع زاد مفہوم کے لئے کہاں کوئی اشارہ موجود ہے۔ یہ غالب کا دیوان نہیں ہے [illegible] کتاب ہے۔ یہاں شاعرانہ تک بندی اور دماغی عیاشی کا کھیل نہیں کھیلا جا سکتا۔

برقی صاحب نے اس دعوے کے ثبوت میں کہ لیلۃ القدر ہر رمضان میں نہیں آتی، جو دلیل پیش کی ہے، وہ اتنی مضحکہ خیز ہے کہ معمولی لکھا پڑھا آدمی بھی عقل و ہوش کے دائرے میں رہتے ہوئے اس طرح کی کچی بات اپنے منھ سے نہیں نکال سکتا۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

> اگر واقعی لیلۃ القدر ہر رمضان میں آتی ہے تو وہ گزشتہ تین سو برس میں شب بھر جاگنے والے چوکیداروں، ریلوے ملازموں، ملاحوں، ہوا بازوں اور مورچوں میں ڈٹے ہوئے فوجیوں کو کیوں نظر نہ آئی۔
>
> (دو اسلام صفحہ ۱۳۹)

اس عجوبۂ روزگار طرز استدلال پر بقراط و سقراط کی روح بھی پھڑک گئی ہوگی اور گذشتہ تین سو برس کی بات تو ایسی دور کی کوڑی ہے کہ کسی کو آج تک نہیں سوجھی ہوگی۔ کتنی حیرت انگیز دریافت ہے کہ گزشتہ تین سو برس سے پہلے شب بھر جاگنے کا کوئی سسٹم ہی نہیں تھا۔ اس وقت دنیا میں نہ ملاح تھے نہ چوکیدار تھے، نہ میدان جنگ میں لڑنے والے سپاہی تھے اور نہ رات کو سفر کرنے والے قافلے تھے، یہ سب تین سو برس پہلے کی ایجاد ہے۔

برقی صاحب کے اس الزام کا جواب سوائے اس کے اور کیا دیا جا سکتا ہے کہ دنیا کے سب سے پہلے خلائی مسافر مسٹر گگارین نے بھی یہی کہا تھا کہ ہم نے آسمانی خلا میں ہر طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا مگر ہمیں کہیں خدا نظر نہیں آیا۔ مذہبی عقیدے کے مطابق واقعی اگر خدا کا کوئی وجود ہے تو وہ

خلا میں ضرور نظر آتا۔ خدا کے وجود کے انکار میں گنگاروں کی یہ دلیل جتنی مضحکہ خیز ہے لیلۃ القدر کے انکار میں مسٹر برق کی دلیل بھی اس سے کم نہیں ہے۔
(جام کوثر اگست ۱۹۶۶ء)

جسم بے سایہ!

عظمت منصب رسالت اور کمالات نبوت کے انکار کے لیے دیوبند کے ایک شہرہ آفاق ماہنامے کے ایک ایڈیٹر نے اپنے "حاصل مطالعہ نمبر" میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کا شدومد سے انکار کیا ہے۔ زہر میں بجھے ہوئے قلم کی روسیاہی ملاحظہ فرمائیں۔

> بعض بزرگوں کی محبت رسول نے غلط روایات اور تشبیہی الفاظ سے دھوکہ کھایا ہے۔ شاعر محبوب کو چاند سے تشبیہ دیتے ہیں تو مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ محبوب کو سائنسی یا طبعی یا لغوی معنی میں چاند کہہ رہے ہیں۔ اسی طرح حضور کو نور کہنا ایک تشبیہ ہے۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ سایہ کثیف کا ہوتا ہے اور آپ کی ذات سر سے پاؤں تک نور ہے وہ یہ بھول جاتا ہے کہ حضور نے طائف میں پتھر اور غزوۂ احد میں زخم بھی کھائے ہیں۔ قمقمے سے نکلنے والی روشنی یا چاندنی سے نکھری ہوئی فضا میں پتھر چلائیے کیا نور کے جسم سے خون پھوٹ نکلے گا؟ ظاہر ہے کہ کثیف چیز کی چوٹ کثیف ہی چیز پر پڑتی ہے نہ کہ لطیف پر۔
>
> (تجلی دیوبند حاصل مطالعہ نمبر ص ۲۹)

خدا کا شکر ہے کہ سایہ نہ ہونے کے متعلق "غلط روایات" کا اقرار کر کے اس بات کا اعتراف کر لیا گیا کہ حضور کے سایہ نہ ہونے کا عقیدہ بے بنیاد نہیں ہے بلکہ اس کے ثبوت میں روایات موجود ہیں۔ اسی طرح یہ کہہ کر کہ "حضور کو نور کہنا ایک تشبیہ ہے" حضور کو نور بھی تسلیم کر لیا گیا۔ اب صرف یہ سوال بحث طلب رہ جاتا ہے کہ جن کتابوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نور کہا گیا ہے اور حضور پاک کے سایہ نہ ہونے کے بارے میں روایات نقل کی گئی ہیں کیا وہ شعراء کے دواوین ہیں۔ ظاہر ہے کہ نہ قرآن شعر کی کتاب ہے اور نہ حدیث شاعروں کے کلام کا مجموعہ ہے۔ قرآن بھی حقائق ہی کا صحیفہ ہے اور حدیث بھی احکام و معارف ہی کا دفتر ہے۔ جب حقیقت حال یہ ہے تو قرآن و حدیث کے الفاظ و بیان پر شاعرانہ مبالغہ آرائی کا الزام رکھنا جتنا بڑا ظلم ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔

اب رہ گیا یہ دعویٰ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کے بارے میں احادیث کی روایات غلط ہیں تو یہ دعویٰ دو طریقوں سے ثابت کیا جا سکتا ہے روایتہً یا درایتہً! روایتہً سے مراد یہ ہے کہ وہ حدیثیں اصول و قواعد سلسلۂ سند اور راویوں کے شخصی حالات کے اعتبار سے ناقابل اعتماد ہیں۔ چونکہ تجلی کے مدیر نے ان حدیثوں کے خلاف اس طرح کی کوئی بحث نہیں اٹھائی ہے اس لئے اس کے متعلق کچھ کہنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اب رہ گیا درایتہً تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ حدیث میں جو مضمون بیان کیا گیا ہے عقل انسانی اسے قبول نہیں کرتی۔

مدیر موصوف نے اپنے مضمون میں اسی رخ پر بحث کی ہے اور قیاس باطل کے ذریعہ سایہ نہ ہونے کے انکار میں طویل معارضات پیش کئے ہیں میں ان کے جواب میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ اسی طرح کا نکتہ چیں اور فتنہ پرواز ذہن لے کر کوئی بیٹھ جائے تو انبیاء کے سارے معجزات کا آسانی سے انکار کیا جا سکتا ہے۔

مثال کے طور پر جو شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ید بیضا سے روشنی پھوٹنے کا عقیدہ رکھتا ہے وہاں بھی یہ سوال اٹھایا جا سکتا ہے کہ عام طبعی قانون کے مطابق روشنی چراغ کی لو سے پھوٹتی ہے یا کسی لطیف شئی سے نہ کہ بشر کے کثیف جسم سے۔ پس بتایا جائے کہ کیا اس بنیاد پر ایک مسلمان اس واقعہ کا انکار کر سکتا ہے؟

یونہی جو شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ مردے کو زندہ کر دیا کرتے تھے وہاں بھی یہ معارضہ قائم کیا جا سکتا ہے کہ سوکھی ہوئی رگوں، بجھی ہوئی راکھ، مرے ہوئے دل اور ٹھنڈی لاش میں زندگی کی واپسی عادۃً اور عقلاً ممکن نہیں ہے اس لئے معاذ اللہ یہ عقیدہ بھی سرتا غلط اور خلاف واقعہ ہے۔

خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہمیں احادیث کی کتابوں میں اس طرح کے بیشمار واقعات ملتے ہیں کہ سرکار کے ایک اشارے پر درخت ~~تجھ~~ زمین کا سینہ شق کرتے، اپنے تنے کے بل پر چلتے ہوئے حاضر خدمت ہوتے تھے اور اشارہ پاکر پھر اپنی اصلی جگہ

پروٹ آتے تھے۔ یہاں بھی قیاس کی تک بندی لڑا دیئے کہ درختوں کا بات سمجھنا چلنا پھر واپس آجانا اور جڑ چھوڑ دینے کے بعد بھی حسب سابق تر و تازہ اور شاداب رہنا طبیعت و عادت کے خلاف ہے اس لئے معاذ اللہ یہ واقعات بھی من گھڑت ہیں۔

اسی طرح سرکار کے جسم پاک کے بارے میں عام طور پر یہ روایات ملتی ہیں کہ حضور کے جسم پر مکھی نہیں بیٹھتی تھی، حضور کا پسینہ خوشبو سے معطر رہا کرتا تھا اور ہزاروں کی بھیڑ میں حضور سب سے اونچے نظر آتے تھے۔ پھر اسی جسم کے ساتھ حضور شب معراج میں آسمانوں پر گئے۔ جنتوں کی سیر فرمائی اور سدرۃ المنتہیٰ سے آگے لامکاں تک پہونچے اور خدا کے دیدار سے مشرف ہو کر بخیر و عافیت واپس تشریف لے آئے۔ یہاں بھی معاذ اللہ عقل کے گھوڑے پر سوار ہو کر ان سارے واقعات کا انکار کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ان میں سے کوئی واقعہ بھی ایسا نہیں ہے جو طبعی قانون کے تحت نوع بشر کے عام حالات سے میل کھاتا ہو۔

ہو سکتا ہے ان سارے اعتراضات کے جواب میں یہ کہا جائے کہ یہ سارے واقعات انبیائے کرام کے معجزات ہیں اور انبیاء کے معجزات خدا کی قدرت کے نتائج ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ خدا کی قدرت کسی بات سے عاجز نہیں ہے۔ اس لئے ان واقعات کو صحیح تسلیم کر لینے میں کوئی عقلی اور طبعی استحالہ نہیں ہے بات سو فیصدی نہیں ہزار فیصدی صحیح ہے لیکن لگے ہاتھوں اس سوال کا بھی جواب دیدیا جائے کہ جو خدا ان سارے محیر العقول واقعات

کے ظہور پر قادر ہے وہ کیا اس بات پر قدرت نہیں رکھتا کہ اپنے محبوب کو ایسا نورانی جسم عطا کر دے جس کا سایہ نہ ہو۔

(جام کوثر کلکتہ)

ایک ملعون حرکت

تہذیب جدید نے جو لعنتیں دُنیا میں تقسیم کی ہیں ان میں سے ایک دل آزار لعنت مزاحیہ کالم اور کارٹون بھی ہے۔ قانون لوگوں کی عزت و حرمت کا محافظ سمجھا جاتا ہے لیکن کارٹون اور مزاحیہ کالم میں اس نے بھی قلم کاروں کو چھوٹ دے رکھی ہے۔ اسی چھوٹ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دیو بند کے ایک ماہنامے نے ملا ابن العرب کے نام سے ایک مسخرہ پال رکھا ہے۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ملا ابن العرب خود ایڈیٹر ہی ہے جو مسجد سے میخانے تک ہر ماہ "ایک ہرزہ سرا" کا رول ادا کرتا ہے۔ حقیقت کیا ہے خدا ہی جانے۔

اب دینی صحافت کا ایک ایمان سوز اور شرمناک نمونہ ملاحظہ فرمایئے کہ ملا ابن العرب مزاحیہ کالم کا سہارا لیکر رنڈیوں کو "زنان عاشقان اولیار" کہتا ہے اور فرضی ناموں سے صوفیائے کرام اور اولیائے عظام کی طرف مغلظات کی نسبت کرکے خدا کے ان مقرب بندوں کا نہایت دل آزاری کے ساتھ مذاق اڑاتا ہے۔

آج کی مغرب زدہ سوسائٹی میں مزاحیہ نگاری ایک آرٹ کی حیثیت سے قابل تحسین چیز سمجھی جاتی ہے لیکن وہ خدائے قادر و قہار جو تنابزبالالقا

کو حرام قرار دیتا ہے اس کی تعزیرات کا پیمانہ الگ ہے۔ ملا ابن العرب مزاحیہ نگاری کے نام پر بچلے ہی یہاں قانون کی زد سے بچ جائیں لیکن مرنے کے بعد آخرت کے عقاب سے نہیں بچ سکیں گے۔

"تجلی" کا تازہ شمارہ میرے سامنے رکھا ہوا ہے اسے پڑھنے کے بعد میں محسوس کر رہا ہوں کہ اب ملا کے قلم کی نوک پر شیطان بیٹھ گیا ہے اور اب سرکشی اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ وہ بدبختی میں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی تمسخر اور استہزار پر اتر آیا ہے۔ چنانچہ ایک فرضی سوال کا جواب دیتے ہوئے ملا ابن العرب لکھتا ہے۔

> "خزینۃ السالکین فی احوال العارفین" میں دادے پیر خواجہ عرش علی کا فرمودہ نقل ہوا ہے کہ حضور عالم الغیب اور حاضر ناظر تھے خود حضور نے صحابی سے فرمایا کہ میں ازل سے ابد تک ہر چیز کا علم رکھتا ہوں اور قیامت تک ہر شخص میری نظر میں رہے گا چاہے کہیں بھی ہو جو لوگ میرے ان ادعاف کا انکار کریں گے وہین میں وہابی ہونگے اور دیوبی میں ایک شیطانی بستی کا نام دیوبند ہو گا جس سے یہ لوگ کیڑے مکوڑے کی طرح جنم لیں گے۔"
>
> ("تجلی" دیوبند ستمبر ۱۹۶۶ء صفحہ ۱۶)

لا الٰہ الا اللہ! دیکھ رہے ہیں آپ مزاحیہ نگاری کے نام پر رسول

مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا کتنی دریدہ دہنی کے ساتھ مذاق اڑایا گیا ہے
شقاوتوں کے سمندر میں ڈوب مرنے کے لیے یہی کیا کم ہے کہ ایک زمنی
حدیث گڑھ کر رسول مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کردی گئی
اور اس پر مزید ناپاک جسارت یہ کی گئی کہ جو بات سرکار کی طرف سے
نقل کی گئی اس کا انداز بیان حد درجہ تمسخر آمیز اور مضحکہ انگیز ہے۔
مثال کے طور پر "عین مین" یہ ایک نہایت مہمل اور بازاری لفظ ہے
یہ شریفوں کی نہیں چنڈو خانے کی زبان ہے۔

ملا ابن العرب نے اگر مسلمانوں کے محبوب آقا کے ساتھ مذاق نہیں
کیا ہے تو وہ "خزینۃ السالکین فی احوال العارفین" نامی کتاب میں یہ
حدیث دکھلائے اور ثابت کرے کہ مصنف سے لیکر کتاب اور حدیث
تک کل کا کل نقل مطابق اصل ہے ـــــ اگر وہ ایسا نہیں کرسکتا تو اسے
یہ بشارت سن لینی چاہیے کہ اس خرمستی کی سزا یہاں نہیں تو وہاں
ضرور ملے گی۔ ایسے مسخروں کو خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان
جہنم میں پہونچانے کے لیے کافی ہے "من کذب علی متعمداً فلیتبوأ
مقعدہ من النار۔ جو میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے۔ اسے
چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے" سرکار کے متعلق علم غیب کا عقیدہ
ثابت کرنے کے لیے جھوٹی حدیث گڑھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ بےشمار
آیات اور صحیح احادیث کی روشنی میں یہ عقیدہ جگمگا رہا ہے۔

علم غیب

دیوبند کا یہی گستاخ معاصر علم غیب سے متعلق ایک سوال کے ذیل میں لکھتا ہے۔

> آپ نہ جانے کس دنیا میں ہیں۔ حضور کو عالم الغیب ماننے اور منوانے کی شیطنت تو عرصۂ دراز سے جلوہ دکھا رہی ہے۔
> (تجلی ستمبر ۱۹۶۶ء)

ذرا غیرتِ ایمانی کے جذبے میں سوچئے کہ انداز بیان کتنا شقاوت بھرا ہے اور دوسری طرف دماغ کا جذام اور دل کی سیاہی ملاحظہ فرمائیے کہ اسی بحث میں تھوڑی دور کے بعد اسی "شیطنت" کا ارتکاب خود اپنے لئے کرتے ہوئے اسے ذرا شرم محسوس نہیں ہوئی۔ اپنی ذات کے سوال پر غیرتِ توحید بھی مر گئی اور علم و فضل کا پندار بھی خاک میں مل گیا۔

> انبیاء کو اگر بعض غیب کی باتیں معلوم ہوئیں تو ان کا ذریعہ وحی یا الہام یا القاء تھا اور ہم لوگوں کا ذریعہ علم الحساب، قیاس منطق اور علم ہیئت وغیرہ ہے۔ یہ فرق ذرائع کا فرق ہے۔ اصل واقعہ دونوں جگہ موجود ہے یعنی غیب کا علم۔ جو واقعہ ابھی پیش نہیں آیا کل پرسوں پیش آئیگا وہ فی الحال غیب ہی ہے لہذا جزوی معنی میں ہم سب بلفرق مراتب "عالم الغیب" ہیں۔ (تجلی ستمبر ۱۹۶۶ء)

اَلامانُ والحفیظ! جہل مرکب بھی کتنی مہلک چیز ہے کہ اس کا مارا ہوا انسان عقل بھی کھو بیٹھتا ہے اور دین بھی۔ صرف شخص واحد کو عالم الغیب کہنے پر تو سوئی ہوئی شیطنت جاگ اٹھی اور جو ساری دُنیا کے انسانوں کو عالم الغیب کہہ رہا ہے ذرا سوچئے کہ وہ کتنا بڑا شیطان ہے۔

نبوت کی ضرورت کے اثبات میں سینکڑوں برس سے اعلان کیا جا رہا ہے کہ انسانی دنیا کو نبی کی ضرورت اس لئے ہے کہ خدا سے براہ راست اس کے ذریعہ ہمیں غیب کی خبر دیتا ہے کیونکہ غیب کا علم بجز خدا کی عطا کے ذاتی طور پر کسی کو نہیں حاصل ہو سکتا جو بلا واسطہ الٰہی ایک ذرے کا بھی علم غیب کسی کے لئے تسلیم کرتا ہے وہ قطعاً خارج اسلام ہے۔ "قرآن کا یہی فرمان ہے۔ حدیث کا یہی ارشاد ہے اور سارے ائمہ اسلام کا یہی عقیدہ ہے۔ لیکن چودھویں صدی کا ملا کہتا ہے کہ علم غیب کچھ خدا کے بتلانے پر موقوف نہیں ہے۔ بغیر واسطہ الٰہی کے بھی علم غیب حاصل ہو سکتا ہے ذرا خدا کا غضب ملاحظہ فرمایئے کہ مسلمانوں کو مشرک کہتے کہتے عقل پر پھٹکار پڑی کہ خود شرک کے دلدل میں پھنس گئے۔

نعوذ باللہ من شرور انفسنا (جام کوثر کلکتہ ستمبر ۱۹۶۶ء)

اپنے منہ پر اپنا ہی طمانچہ

دیوبند کا ایک مشہور ماہنامہ جو رسول دشمنی، ناموس حق کی پامالی اور لائق تعزیر مسلم آزاری میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ اپریل ۱۹۶۶ء

کے شمارے میں اس کے ایڈیٹر نے ایک ایسا راز اگل دیا ہے جس کے پس منظر میں مذہبی خیانت اور علمی بددیانتی کی ایک نہایت بھیانک اور شرمناک تاریخ روشنی میں آگئی ہے۔

اہل دیوبند کی طرف سے سُنّی مسلمانوں کو بات بات پر بدعتی بنانے کی مہم اور اس کے ذیل میں دل آزاریوں کی تفصیلات سے سارا زمانہ واقف ہے یہی وہ ناپاک حربہ ہے جس کے ذریعہ آئے دن وہ ہمارے قومی وجود کو گھائل کرتے ہیں اور مسلم معاشرے میں ہمارے خلاف بدترین قسم کی مذہبی منافرت پھیلاتے رہتے ہیں۔

بدعت کے مفہوم کی تشریح میں سینکڑوں بار دیوبندی علماء کو متنبہ کیا جا چکا ہے کہ ہر وہ مباح چیز، جو اپنی ہیئت موجودہ کے ساتھ زمانہ خیرالقرون میں موجود نہ ہو اسے "بدعت ضلالت" اور حرام کہنا صحیح نہیں ہے اگر اس طرح کے غلط اقدام کی اجازت دیدی گئی تو مذہبی زندگی کا سارا نظام کُل درہم برہم ہو کے رہ جائیگا اور زمانے کے بدلتے ہوئے حالات میں شریعت کے دائرے کو وسیع کرنے کا کام تعطل میں پڑ جائیگا لیکن یہ حضرات دیدہ و دانستہ علمی بصیرت کا خون کرتے رہے اور بدعتی فرقے کی مہم چلا کر مسلمانوں میں نفاق کا بیج بوتے رہے تاکہ مذہبی اجارہ داری کے لئے ایک طبقے کو ذہنی طور پر اپنا غلام بنا کر رکھیں۔

لیکن اب ہزاروں بستیوں کو ویران ... اور لاکھوں

زندگیوں کو تباہ کر چکنے کے بعد بدعت کی تشریح کے سلسلے میں جس بات کو کل تک باطل ٹھہراتے تھے آج اسی کو حق تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے۔ کاش آج سے سو برس پیشتر آنکھ کھل گئی ہوتی تو دیوبند و بریلی کے درمیان اختلافات کی خلیج اتنی وسیع نہ ہوتی۔

اب بدعت کی تشریح کے سلسلے میں مسلک حق کی طرف پلٹنے کا اصل قصہ ملاحظہ فرمائیں۔ ماہنامہ "تجلی" دیوبند میں مہاراشٹر کے کسی شخص نے دعائے گنج العرش کی بابت ایک سوال دریافت کیا ہے سوال کا متن یہ ہے۔

> فدوی روزانہ "گنج العرش" پڑھتا ہے۔ ہمارے ایک دوست اس کو بدعت کہتے ہیں۔ ان کی منطق میری سمجھ میں نہیں آتی۔
>
> ("تجلی" اپریل سنہ ۶۲ء)

اب مدیر "تجلی" کا وہ جواب ملاحظہ فرمائیں جس نے ان کی جماعت کے اکابر کی قائم کی ہوئی بنیادوں کو یک لخت ڈھا دیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

> جہاں شرک و بدعت سے بچنا انتہائی ضروری ہے وہیں یہ بھی ضروری ہے کہ کسی فعل و عمل پر شرک و بدعت کا حکم لگانے میں احتیاط برتی جائے دعائے "گنج العرش" ہو یا دوسری وہ دعائیں جنھیں بزرگوں نے مرتب کیا ہے اور دین پسند عوام انھیں شوق سے پڑھتے ہیں جب تک ان کے مضمون ہی میں کوئی شرعی نقص نہ پایا جائے ان کا پڑھنا بدعت نہیں کہلائیگا۔
>
> ("تجلی" اپریل سنہ ۶۲ء)

اللہ اکبر! قدم قدم پر شرک و بدعت کی خاک اڑانے والے اب دوسروں کو نصیحت فرما رہے ہیں کہ کسی فعل و عمل پر شرک و بدعت کا حکم لگانے میں احتیاط برتی جائے۔

انصاف سے بتایئے! جس توجیہہ و تاویل سے دعائے گنج العرش کا پڑھنا بدعت نہیں ہے کیا وہی توجیہہ و تاویل میلاد و فاتحہ میں جاری نہیں کی جا سکتی؟ کیا یہاں بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ میلاد و فاتحہ یا قیام و سلام، یا وہ امور جنھیں بزرگوں نے ایجاد کئے ہیں اور دین پسند عوام کو ان چیزوں پر ذوق و شوق کے ساتھ عمل درآمد ہے جب تک ان امور ہی میں کوئی شرعی نقص نہ پایا جائے ان پر عمل کرنا بدعت نہیں کہلائیگا۔

علم و عقل کی صحیح رہنمائی

دعائے گنج العرش کے بارے میں مدیر تجلی نے اوپر جو بات کہی ہے اس کی حیثیت ایک دعوے کی ہے۔ اب اس دعوے کی دلیل سنئے ارشاد فرماتے ہیں۔

> دعا کا مقصود ہے اللہ سے کچھ مانگنا: مغفرت، کامرانی، عافیت وغیرہ طلب کرنا۔ اس کے لئے شریعت نے ہمیں کسی خاص زبان کسی خاص ورد، کسی خاص تسبیح کا پابند نہیں بنایا بلکہ کھلی چھٹی دی کہ جن لفظوں میں چاہیں جس زبان میں چاہیں اللہ کے آگے گڑگڑائیں اور اپنی حاجتیں طلب کریں۔ (تجلی اپریل ۶۶ء)

شاباش! ایک صدی کے بعد آج آنکھ کی پٹی کھلی اور علم وعقل کی صحیح
رہنمائی حاصل ہوئی۔ یہی دلیل جب ہم میلاد و فاتحہ اور قیام وسلام کے
بارے میں پیش کرتے تھے تو آپ حضرات ہمارے موقف کا مذاق اڑاتے
تھے لیکن آج وہی ان کہی آپ بھی کہہ رہے ہیں تو لیجئے اب اپنی ہی بولی
میں ہماری بات سمجھئے۔

دعائے گنج العرش کو جائز قرار دینے کی دلیل میں آپ کہتے ہیں کہ دعا
کا مقصود اللہ سے کچھ مانگنا ہے اور اس کے لئے شریعت نے ہمیں
کسی خاص زبان، کسی خاص ورد، کسی خاص تسبیح کا پابند نہیں بنایا
ہے جواز کا مدار جب صرف مقصود کے حصول پر ہے اور اس سے بحث
نہیں کہ مقصود کے حصول کا ذریعہ کیا ہے، وہ کب ایجاد ہوا، کن لوگوں
نے اسے ایجاد کیا تو اتنا اور ذہن نشین کر لیا جائے کہ شارع کا اصل مقصود
ارواح مومنین کو ایصال ثواب ہے اور اس کے لئے شریعت نے ہمیں
کسی خاص طریقے کا پابند نہیں بنایا ہے۔ فاتحہ، عرس، چہلم، گیارہویں،
ختم آیات، جس ذریعے سے بھی مقصود کا حصول ہو اسے عمل میں لانا قطعاً
جائز ہے۔

اسی طرح شریعت کا اصل مقصود ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور اس
کے لئے شریعت نے ہمیں کسی خاص طریقے کا پابند نہیں بنایا ہے۔ جلسۂ میلاد،
محفل سیرت، بزم نعت، مجالس ذکر جس ذریعہ سے بھی مقصود کا حصول ہو
اسے عمل میں لانا قطعاً جائز ہے۔

ذرائع کے متعلق یہ بحث کہ وہ کب ایجاد ہوئے، کس نے انھیں ایجاد کیا قطعاً خارج از سوال ہے۔

ایصال ثواب، ذکرِ رسول اور تعظیم نبی، جو شریعت کا اصل مقصود ہیں، ان کے حصول کے ذرائع کے بارے میں اگر یہ شرط لازمی قرار دیدی جائے کہ جب تک بعینہٖ ان ذرائع کا وجود زمانۂ خیر القرون میں نہ ملے انھیں جائز قرار نہیں دیا جاسکتا تو پھر یہ سوال دعائے گنج العرش کے بارے میں بھی اٹھایا جاسکتا ہے کہ گو وہ مقصود کے حصول کا ذریعہ ہے لیکن چونکہ وہ ذریعہ زمانہ خیر القرون کے بعد وجود میں آیا اس لئے وہ بدعت ہے اور اسے ہرگز جائز قرار نہیں دیا جاسکتا ورنہ دونوں میں وجہ فرق بتائی جائے۔

ایک اور طمانچہ

دعائے گنج العرش کے جواز پر بحث کا اختتام کرتے ہوئے مدیر تجلی تحریر فرماتے ہیں۔

> قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ دعا کسی معین عبارت میں محدود نہیں۔ لہذا بعد کے نیک لوگ اگر اپنے اپنے فہم کے مطابق نئے کلمات دعا کے لئے ترتیب دے لیتے ہیں اور ان کلمات سے اخلاف فائدہ اٹھاتے ہیں تو اس میں بدعت کا دخل نہیں رہا۔
>
> (تجلی اپریل)

برا نہ مانیں تو عرض کروں گا کہ ذرا اسی اسپرٹ میں آنا اور لکھ دالئے کہ ایصال ثواب ذکر رسول اور تعظیم نبی بھی کسی معین طریقے میں محدود نہیں

لہٰذا بعد کے نیک لوگ اگر اپنے اپنے فہم کے مطابق نئے طریقے ان اُمور کے لئے ایجاد کر لیتے ہیں اور ان طریقوں سے اخلاف فائدہ اٹھاتے ہیں تو اس میں بدعت کو دخل نہیں رہا۔

دل کا روگ

میلاد و قیام وغیرہ سے مدیر تجلّی کو اتنی سخت نفرت ہے کہ بے محل بھی ان اُمور کے خلاف زہر اگلتے رہتے ہیں۔ چنانچہ اسی دعائے گنج العرش کی بحث میں موصوف نے جشن میلاد النبی پر جو زورِ قلم صرف کیا ہے وہ ان کے ذہنی آزار اور قلبی اختلاج کا کھلا ہوا ثبوت ہے وحشت فکر کا یہ نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

بدعت ان نئے اُمور کو کہتے ہیں جنھیں ثواب کی نیت سے اختیار کیا جائے اور شریعت میں ان کی کوئی اصل موجود نہ ہو۔ جیسے سال بہ سال جشن میلاد النبی منانا۔ یہ جشن ثواب کی نیت سے منایا جاتا ہے مگر شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ اگر یہ باعث ثواب فعل ہوتا تو صحابہ بھی حضور کا جشن مناتے۔ نیز حضور خود کسی پچھلے پیغمبر خصوصاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یوم ولادت مناتے مگر ایسا نہیں ہوا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ محض بعد کی ایجاد ہے اور چونکہ اس کا مقصد ثواب حاصل کرنا ہے اس لئے اس کی حیثیت ایجاد فی الدین کی ہے جو سراسر گمراہی ہے۔

(تجلّی اپریل ۱۹۶۰ء)

خدا کی پناہ! دل کی کجی آدمی کو کہاں سے کہاں پہونچا دیتی ہے شریعت میں جشن میلاد النبی کی کوئی اصل موجود نہیں ہے اور وہ بہ نیت ثواب منایا جاتا ہے اس لئے بدعت اور سرتاسر گمراہی ہے۔

لیکن بتایا جائے کہ کیا مروجہ "دعائے گنج العرش" کی شریعت میں کوئی اصل موجود ہے ؟ اگر نہیں ہے اور پڑھنے والے بھی اسے بہ نیت ثواب ہی پڑھتے ہیں تو پھر اس کو پڑھنا بدعت اور سراسر گمراہی کیوں نہیں ہے۔ اگر جشن میلاد النبی کے لئے یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ یہ باعث ثواب فعل ہوتا تو صحابہ بھی حضور کا جشن مناتے نیز حضور کسی پچھلے پیغمبر خصوصاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یوم ولادت مناتے۔ بالکل یہی سوال مروجہ دعائے گنج العرش کے بارے میں بھی اٹھایا جا سکتا ہے کہ اگر اس کو پڑھنا باعث ثواب فعل ہوتا تو صحابہ بھی اسے پڑھتے نیز حضور خود صحابہ کو مروجہ "دعائے گنج العرش" پڑھنے کی تلقین فرماتے اور اگر اس بنیاد پر کہ جشن میلاد النبی بعد کی ایجاد ہے اور اس کے انعقاد میں ثواب کی نیت شامل ہوتی ہے اس لئے اس کی حیثیت ایجاد فی الدین کی ہے اور وہ سراسر گمراہی ہے تو ذرا انصاف کیا جائے کہ بعد کی ایجاد ہونے کی بنیاد پر دعائے گنج العرش کی حیثیت کیوں نہیں ایجاد فی الدین کی ہے ؟ اور وہ کیوں سراسر گمراہی نہیں ہے ؟

اگر آپ کہیں کہ اس بات سے ہمیں انکار نہیں ہے کہ "دعائے گنج العرش" بعد کی ایجاد ہے لیکن اس کا کیا ثبوت ہے کہ اسے پڑھنے والے بہ نیت ثواب

پڑھتے بھی ہیں تو خدا کا شکر ہے کہ یہ ثبوت آپ ہی نے فراہم کر دیا ہے اگا "دعائے گنج العرش" کی بحث میں آگے چل کر آپ تحریر فرماتے ہیں۔

> جب کوئی شخص "دعائے گنج العرش" پڑھتا ہے یا مولانا اشرف علی کی "مناجات مقبول" دہرتا ہے تو مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس لئے کوئی ایسا ثواب حاصل ہوگا جو دعا کے دوسرے طریقوں سے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔
>
> (تجلی اپریل ۱۹۶۰ء)

صفائی میں یہ بیانکہ تصنیف کرنے کے بعد بھی ثواب کی نیت سے انکار نہیں ہے۔ "دعائے گنج العرش" ہو یا تھانوی صاحب کی "مناجات مقبول" پڑھنے والے کو ثواب ضرور ملے گا۔ اب رہ گیا ثواب کی نوعیت کا سوال تو یہ قطعاً دوسرے درجہ کی چیز ہے۔ اس سے نفسِ ثواب کے لئے نیت کی شمولیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

مذکورہ بالا بحث کی روشنی میں اب میں مدیر "تجلی" اور ان کے ہمنواؤں سے صرف اتنا دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ جشن میلاد النبی بھی بعد کی ایجاد اور "دعائے گنج العرش" بھی بعد کی ایجاد، جشن میلاد میں بھی نیت ثواب کی شمولیت، اور "دعائے گنج العرش" میں بھی نیت ثواب کی شمولیت، پھر یہ بات قطعاً عقل و نقل کے خلاف ہے کہ "دعائے گنج العرش" کا پڑھنا جائز و مستحسن قرار دیا جائے اور جشن میلاد النبی کو ایجاد فی الدین، بدعت اور سر تا سر گمراہی سے تعبیر کیا جائے۔ بالکل ایک ہی طرح کے مقدمے میں

دو متضاد فیصلے یا تو کھلا ہوا پاگل پن ہے یا پھر دیدہ و دانستہ انصاف و دیانت کا خون ہے۔ اور اس جذبے کا محرک صرف رسول دشمنی ہے۔ (جام نور کلکتہ مئی ۱۹۶۳ء)

سرچڑھا جادو

دیوبند کا رسوائے زمانہ ماہنامہ، جو مذہب اہل سنت کی روایات کے خلاف دریدہ دہنی اور دشنام طرازی میں بے مثال کردار کا مالک ہے، اس نے اپریل کے شمارے میں ایصال ثواب کے عنوان سے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے۔

> یہ کس نے کہہ دیا کہ خدا کے یہاں کسی قسم کی سفارش نہیں چلتی۔ یہ تو گمراہ فرقوں کا عقیدہ ہے۔ (تجلی)

اللہ اکبر! ذرا قلم کا معصومانہ تیور تو دیکھئے! اپنے ہی گھر کی کہی ہوئی بات پر اس طرح اظہار حیرت فرما رہے ہیں جیسے آپ کسی اور دنیا کے رہنے والے ہیں۔

"الہامی کتاب" کی طرح آپ حضرات کے گھروں میں رکھی جانیوالی "تقویۃ الایمان" ابھی دنیا سے ناپید نہیں ہوئی ہے اس کے ابتدائی صفحے کھول کر پڑھ لیجئے، معلوم ہو جائیگا کہ کس نے کہا ہے اور کیا کہا ہے سفارش

کا انکار ہی نہیں اس میں تو یہاں تک کہہ دیا گیا ہے کہ جو رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کے پاس اپنا سفارشی اور وکیل سمجھتا ہے وہ اور ابو جہل دونوں شرک میں برابر ہیں۔

کل جب ہم کہتے تھے کہ شفاعت و توسل کا انکار گمراہ فرقوں کا عقیدہ ہے تو آپ حضرات کے بدکنے کا تماشا قابل دید ہوتا تھا لیکن خدا کا شکر ہے کہ آج وہ وحشت انگیز الفاظ آپ کی زبان پر بھی جاری ہوگئے ہیں دل پر پتھر رکھ کر ذرا اتنا اور کہہ ڈالیے کہ تقویۃ الایمان جس میں عقیدۂ شفاعت کا شد و مد سے انکار کیا گیا ہے وہ اردو زبان میں گمراہ فرقوں کی سب سے پہلی کتاب ہے۔

یا للعجب! کہ گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے ہوئے آپ حضرات کو ذرا بھی دیر نہیں لگتی کہیں تو شفاعت و توسل کے انکار میں نامۂ عمل کی طرح ورق کے ورق سیاہ کر ڈالتے ہیں یہاں تک کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حق میں یہ جملہ بار بار نقل کیا جاتا ہے کہ "تم اس گھمنڈ میں مت رہنا کہ رسول اللہ کی بیٹی ہو، یاد رکھو لوگ خدا کے یہاں کوئی سفارش نہیں چل سکتی" اور اب اپنی بے گناہی کا اظہار کرنے کے لیے یہ گمراہ کن عقیدہ دوسروں کے سر تھوپنا چاہتے ہیں۔

تقریباً ایک صدی سے خوش عقیدہ مسلمانوں کے خلاف آپ حضرات جو جنگ لڑ رہے ہیں اور شرک و قبر پرستی کا الزام لگا کر جس بیدردی

کے ساتھ آپ حضرات نے اُمّت کا شیرازہ منتشر کر رکھا ہے اس کی بنیاد سوا
اس کے اور کیا ہے کہ اہل سنّت کا گروہ محبوبانِ حق کو خدا کی جناب میں
اپنا وسیلہ' و سفارشی سمجھ کر اُن کے قدموں سے لگا رہتا ہے۔

یہ اگر شرک ہے تو ہم نے کب آپ سے درخواست کی ہے کہ اس شرک
کا ارتکاب آپ بھی کیجئے۔ لیکن یہ کیا شیوۂ نفاق ہے کہ کل تک تو آپ
عقیدۂ شفاعت کی بنیاد پر ہمیں گمراہ کہتے تھے اور آج انکار کرنے والوں
کو گمراہ قرار دے رہے ہیں۔ اس پر بھی ہم اصرار نہیں کرتے کہ آپ اپنے
پچھلے ہی موقف پر رہیے لیکن اتنی بات ضرور کہنا چاہتے ہیں کہ اب
تجاہل عارفانہ سے کام نہیں چلے گا۔ صاف صاف اس گمراہ فرقے کی نشاندہی
کیجئے جو شفاعت کا انکاری ہے صرف اتنا کہنا کافی نہیں ہے کہ خدا
کے پاس کسی قسم کی سفارش نہیں چل سکتی' یہ گمراہ فرقوں کا عقیدہ ہے۔

اگر واقعی یہ کور دبنے کی بات نہیں ہے بلکہ ضمیر کی آواز ہے تو حق شناسی
اور دینی تقدس کے وہ سارے القابات واپس لے لیجئے جو سہارنپور
سے لیکر تھانہ بھون تک آپ حضرات نے تقسیم کر رکھے ہیں نیز ان تمام
کتابوں پر سے بھی اپنی بے اعتمادی کا اعلان کیجئے جنھوں نے عوام میں
گمراہ کن عقیدوں کی اشاعت کر کے لاکھوں خاندان کو اُخروی تباہی
کے دہانے پر پہونچا دیا ہے۔ اور ہمارا یہ مطالبہ غیر معقول اور بلا وجہ
نہیں ہے کیونکہ اصولی طور پر ایک بات مان لینے کے بعد اس کے ذیل کے
سارے لوازمات کو تسلیم کرنا ہی پڑتا ہے۔

ایصال ثواب

ایصال ثواب کا مسئلہ بھی اکثر زہر میں بجھے ہوئے قلم کے نشانے پر رہتا ہے۔ اس راہ سے کون سی گالی ہے جو سُنّی مسلمانوں کو نہیں دی جاتی۔ قبر پرستی، قبوری شریعت، برہمنی عقیدہ، دیومالائی رسوم، شرک و بدعت اور نہ جانے کتنے القابات ہیں جو ایصالِ ثواب کے حامیوں کے لئے ڈھالے گئے ہیں۔ لیکن ماتم یہ ہے کہ موسم کی طرح رُت بدلنے والے یہ غازیانِ دیوبند ایک مسلک پر نہیں رہتے۔ ایک ہی چیز صبح کو شرک و کفر ہے اور شام تک ایمان ہو جاتی ہے۔ رات کے اندھیرے میں حلال سمجھتے ہیں اور دن کے اُجالے میں حرام کہنے لگتے ہیں۔

مثال کے طور پر اسی ایصالِ ثواب کے سلسلے میں مدیر تجلّی کا انداز فکر جتنا جارحانہ اور دل آزار ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے لیکن اپنے ایک ہم مشرب دوست کے ایصالِ ثواب کے لئے ذرا نصیحت و ترغیب کے یہ الفاظ ملاحظہ فرمائیں۔

> مرحوموں کو زندوں کی دعاؤں اور صدقات وغیرہ سے فائدہ پہنچنا تو علم صحیح کی بنیاد پر ہے یعنی احادیث سے ثابت ہے۔
>
> (تجلّی)

آگے لکھتے ہیں۔

> سزا و جزا کا قانون اپنی جگہ درست لیکن ہم بندوں کو اپنے والدین اور

اپنے مسلمان بھائیوں کے لئے دُعا اور ایصالِ ثواب سے غافل نہیں رہنا چاہئے۔ "تجلی"

بات ابھی ادھوری ہے اس میں اتنا اور شامل کر دیا جائے تا کہ مسلک کی صحیح ترجمانی ہو جائے کہ کوئی مسلمان مر جائے تو ایصالِ ثواب کی غرض سے لوگوں کو جمع ہو کر قرآن پڑھنے سے روک دینا چاہئے بہ نیت ایصالِ ثواب غرباء و مساکین کو صدقہ کرنے کے لئے اگر کھانا پکایا جائے تو اسے حرام قرار دیدینا چاہئے۔ قبر کے پاس کھڑے ہو کر اگر کوئی فاتحہ پڑھے اور مغفرت و ثواب کی دُعا مانگے تو اسے ہاتھ پکڑ کر بٹھا دینا چاہئے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے رہئے کہ "ہم بندوں کو اپنے والدین اور مسلمان بھائیوں کے لئے دعا اور ایصالِ ثواب سے غافل نہیں رہنا چاہئے"۔ ایک طرف سب کچھ کرنا چاہئے اور دوسری طرف کچھ نہیں کرنے دینا چاہئے۔ اس سے زیادہ شائستہ اور مہذب فریب دُنیا کو نہیں دیا جا سکتا۔ وہ تو احسان مانئے اہل سنت کا کہ انھوں نے ایصالِ ثواب کے معروف ذرائع کو مسلم معاشرہ میں داخل کر کے بے زبان مُردوں کی رُوحانی آسائش اور اخروی منفعت کا سلسلہ جاری رکھا ہے ورنہ آج کے بندگانِ اغراض جو زندوں کی خیریت تک نہیں پوچھتے وہ مُردوں کو کیا نفع پہونچاتے۔

ہم سے زیادہ خوگرِ آلام اور کون ہو سکتا ہے اس دُنیا میں کہ نفع پہنچاتے ہیں مُردوں کو اور گالیاں سنتے ہیں ہم۔

علم و دیانت کا خون

دینی منصب کا یہ سانحہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ایک طرف تو علمائے دیوبند ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی، اجتماع مسلمین، تعیین یوم اور اہتمام و تداعی کو بدعت و حرام ٹھہراتے ہیں اور دوسری طرف اپنے پیشواؤں کے انتقال پر اسی بدعت و حرام کو اپنے حلق کے نیچے بھی اتار لیتے ہیں۔

چنانچہ مولوی اصغر حسین صاحب دیوبندی اپنی کتاب "حیات شیخ الھند" میں مولانا محمود الحسن دیوبندی کے انتقال پر ان کے لئے ایصال ثواب کی مجالس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> دفن سے اگلے روز (یعنی دوسرے دن) پنجشنبہ کو دار العلوم میں طلبہ و علماء جمع ہوئے۔ نہایت شوق اور خلوص قلبی سے ایک لاکھ پچیس ہزار کلمۂ شریف کا ختم تین بار ہوا۔ اور باترتیب قرآن مجید پچیس پڑھے گئے۔
>
> (حیات شیخ الھند صفحہ ۱۵۶)

اس کے بعد چہارم کی تقریب ملاحظہ ہو۔

> یکشنبہ کو جامع مسجد میں بعد نماز صبح شہر کے تمام مسلمان اور دار العلوم کے تمام طلبہ و مدرسین و متعلقین جمع ہوئے۔ اکثر لوگ قرآن شریف پڑھتے رہے اور کچھ کلمۂ طیبہ۔ اس طرح باقاعدہ ترتیب وار بیس قرآن ختم ہوئے
>
> (حیات شیخ الھند صفحہ ۱۵۶)

شیخ دیوبند مولانا حسین احمد صاحب کی موت پر ان کے ایصال ثواب کا تذکرہ کرتے ہوئے مولوی فخر الحسن دیوبندی مدرس دار العلوم دیوبند اپنے مضمون میں لکھتے ہیں۔

> تین روز تک مسلسل قرآن خوانی، تسبیح و تہلیل، اور ایصال ثواب ہوتا رہا اسباق بند رہے۔ اساتذہ، طلبہ اور جملہ کارکنان دار العلوم دیوبند اسی مشغلۂ پاک سے دل بہلاتے رہے۔
>
> (الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر ص ۱۵)

ذرا اہل انصاف غور فرمائیں! کہ اپنے مولانا کے ایصال ثواب کے لئے جس مشغلہ کو پاک کہا جارہا ہے اسی کو عام اموات مسلمین کے لئے ناپاک کہتے کہتے علماء دیوبند کی زبانیں خشک ہوگئیں اور لکھتے لکھتے قلم گھس گئے۔

تین روز تک مسلسل قرآن خوانی، تسبیح و تہلیل، اسباق کی بندش دینی تعلیمی کاروبار کا تعطل اور تعیین وقت کے ساتھ اجتماع، ان سارے امور کی کوئی مثال عہد رسالت اور عہد صحابہ میں ملتی ہو تو اس کی نشاندہی فرمائی جائے۔ اور اگر زمانۂ خیر القرون میں اس کی کوئی مثال موجود نہیں ہے تو یہ الزام قبول کیا جائے کہ آپ حضرات کے یہاں شریعت دو طرح کی ہے ایک دوسروں کے لئے ہے اور ایک اپنے لئے ہے۔

اور سنئے الجمعیۃ العلمائے دہلی کے جنرل سکریٹری مولوی حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی کی وفات پر دیوبندی حلقوں نے ایصال ثواب کے لئے جو سماں

سرگرمیوں کا مظاہرہ کیا ان کا مختصر سا خاکہ ملاحظہ فرمائیے۔ سب سے پہلے دارالعلوم دیوبند کی رپورٹ پڑھیے۔

> دارالعلوم میں فوراً ایصال ثواب کے لئے کلمۂ طیبہ کے ختم کا اعلان کر دیا گیا جس میں دارالعلوم کے تمام طلبہ، اساتذہ اور کارکنوں نے شرکت فرمائی۔
>
> (اخبار سیاست جدید کانپور)

مولوی منت اللہ رحمانی رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند نے بھی ان کے ایصال ثواب کے لئے جو اپیل شائع کی تھی اس کا یہ حصہ پڑھنے کے قابل ہے۔

> حضرت مولانا (حفظ الرحمٰن) کے لئے ختم قرآن، ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کا مسلمان پورا پورا بندوبست کریں۔
>
> (اخبار آزاد ہند کلکتہ)

اسی موقعہ پر جمعیۃ علمائے یوپی کے دفتر سے بھی ایک اپیل شائع ہوئی تھی جس کے الفاظ یہ ہیں۔

> جمعیۃ علمائے یوپی تمام مسلمانوں سے، تمام تعلیمی اداروں سے اپنی تمام شاخوں سے اپیل کرتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ ایصال ثواب کریں۔
>
> (سیاست جدید کانپور)

سنّی عوام کو بدعتی کا طعنہ دینے والے ایک بار پھر مذکورہ بالا اقتباسات پڑھ جائیں اور ذرا غور فرمائیں کہ مولانا محمود الحسن سے لے کر مولوی حفظ الرحمٰن تک اپنے مردوں کے ایصال ثواب کے لئے جن رسمیات کا اوپر تذکرہ کیا گیا ہے ان میں رائج شدہ کون سی بدعت ہے جو باقی رہ گئی ہے۔ اجتماع مسلمین، اہتمام و تداعی، تعیین یوم، تخصیص وقت، تسبیح و تہلیل اور قرآن خوانی وغیرہ سمجھ میں نہیں آتا کہ دینی معاملات میں اپنے اور بیگانے کا امتیاز کیوں برتا جاتا ہے۔ جو چیز علماء دیوبند کے حق میں اور خیر اور پاک ہیں وہی سنّی مسلمانوں کے حق میں کیوں بدعت و ناپاک ٹھہرائی جاتی ہیں؟ اس مقام پر مجھے یہ کہنے کی اجازت دی جائے کہ جب حقیقت کھل کر سامنے آگئی ہے تو صرف ذہنی تفریح اور دماغی عیاشی کے لئے امت میں فساد پھیلانے کا مشغلہ اب مفتیان دیوبند کو ترک کر دینا چاہیے۔ (جام نور کلکتہ جون ۶۶ء)

فکری تصادم کی ایک دلچسپ کہانی

آج کی صحبت میں ہم اہل سنّت کے معتقدات و معمولات کی حمایت میں منکرین کے گروہ کے دو قابل اعتماد رہنماؤں کے "تاثرات" پیش کر رہے ہیں۔ ان کے یہ تاثرات اگر اخلاص و حقیقت پر مبنی ہیں تو اس سے زیادہ ہمیں اور کچھ نہیں کہنا ہے کہ کسی بھی اختلافی مسئلے میں بحث کے ایک رخ کی صحت تسلیم کر لینے کے بعد دوسرے رخ کا ابطال و انکار دیانت و انصاف کی رو سے ضروری ہو جاتا ہے ــــ اور اگر یہ تاثرات حقیقی نہیں بلکہ نمائشی ہیں تاکہ سیاسی اقتدار کے لئے مسلم اکثریت کو مسخر

کیا جائے تو ہمیں کہنے دیا جائے کہ اس سے زیادہ مہذب فریب دنیا کو نہیں دیا جا سکتا۔"

اُن دونوں حضرات میں سے ایک صاحب جماعت اسلامی کے "سربراہ مطلق" جناب ابو الاعلیٰ مودودی صاحب ہیں اور دوسرے جناب مولانا کوثر نیازی صاحب ہیں۔ جو پہلے جماعت اسلامی حلقۂ لاہور کے امیر تھے لیکن اب جماعت اسلامی کے لیے نشتر ہیں۔

داتا کی نگری

جناب مولانا کوثر نیازی صاحب مدیر "شہاب لاہور" نے "داتا کی نگری" کے عنوان سے سلطان العارفین حضرت داتا گنج بخش لاہوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عرس شریف پر جو تبصرہ فرمایا ہے اس کی نقل ذیل میں ملاحظہ فرمائیے۔

> "سلطان العارفین حضرت علی ہجویری عرف حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا نو سو بائیسواں عرس لاہور میں مخصوص روحانی جاہ و جلال اور عقیدت و محبت کی فضا میں منعقد ہوا۔ مغربی پاکستان کے دور دراز علاقوں سے عقیدت مند ہجوم در ہجوم دربار میں حاضر ہوئے اور گنج بخش کے کھلے خزانے سے برکت کی جھولیاں بھر بھر کر لے گئے۔
>
> حضرت داتا کے روحانی فیوض و برکات اپنی جگہ پر مسلم اور ہر اختلاف رائے سے بالا ہیں۔ مزار پر انوار کروڑوں دلوں کے عقیدت و احترام کے مرکز کی حیثیت سے جو روحانی تسکین بہم پہنچاتا

ہے اور جس قلبی اطمینان و سکون کے خزانے لٹاتا ہے اس پر شبہ کرنا عقیدے کی قوتوں سے انکار کرنا ہے۔ یہ انکار غیر فطری ہوگا اور دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی مادہ پرست سائنس اس انکار کو جائز نہیں سمجھے گی۔

ان کے علاوہ اس مرکز عقیدت و احترام کے کچھ علمی پہلو بھی ہیں جو اپنی جگہ پر اہم اور قابل توجہ ہیں۔ یہ دن ہمیں یاد دلاتا ہے کہ آج سے نو سو بائیس سال قبل اس مرد حق آگاہ کا وصال ہوا جو ایک مخصوص مشن لے کر سرزمین لاہور میں تشریف فرما ہوا تھا ان دنوں یہ جگہ دریائے راوی کا کنارہ تھی۔ حضرت داتا گنج بخش نے اس کنارے پر ایک جھونپڑی تعمیر فرمائی اور اللہ کا نام بلند کرنے کے فرائض کی تکمیل میں مصروف ہو گئے۔

بعض تاریخی شواہد کے مطابق لاہور ان دنوں میں بودھ دھرم کا مرکز تھا اور اس کی مختصر سی آبادی کی اکثریت اس عظیم عقیدے کی پیروکار تھی جو براہمنی سامراج کے خلاف ردعمل کے طور پر پیدا ہوا اور جس کی آواز نے براہمنی سامراج کے قلعے کو اس زور سے متزلزل کیا کہ برہمنوں کے بڑے بڑے خدام لرزہ براندام ہو گئے۔ مہاتما بودھ جدید تحقیقات کے مطابق ذاتی طور پر ناشک تھے۔ یعنی خدا کے وجود کا احساس و وجدان انھیں حاصل نہیں ہو سکا تھا۔ ان پر جو بات منکشف ہوئی وہ انسان کی نیکی کی قوتیں تھیں جو خود انسان کے اندر قدرتی طور پر موجود تھیں۔

براہمنی سامراج نے اپنی مخصوص چالوں کے مطابق مہاتما بدھ کو اپنے لاتعداد خداؤں کی فہرست میں ایک معبود کی حیثیت سے شامل کر لیا اور مہاتما بدھ کی وفات کے چند سو سال بعد بدھ دھرم ہندوستان میں ہندو دھرم کے ایک فرقے کی حیثیت سے قبول کر لیا گیا حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ جب لاہور میں تشریف لائے اس وقت بدھ دھرم ہندو دھرم کے ایک فرقے کے طور پر رائج ہو چکا تھا اور مہاتما بدھ مورتی پوجا کے مرکز بن چکے تھے۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجیے کہ لاہور بت پرست تھا۔ حضرت سلطان العارفین نے شرک کے اس مرکز میں وحدانیت کی شمع روشن کی اور اس کام کو آگے بڑھانے کی جدوجہد شروع کی جس کا آغاز آپکے پیش رو کے ہاتھوں ہو چکا تھا۔

حضرت داتا نے اس کام کو کس خوبی کے ساتھ آگے بڑھایا، صوفیانہ روایات میں اس کے جو لطیف حسین اور دل نشین انداز نظر آتے ہیں ان میں سے ایک انداز یہ بھی ہے کہ کم از کم شمالی ہند کے وسیع و عریض علاقے میں اسلام کی نشر و تبلیغ کا ایک وسیع سلسلہ قائم ہوا جس کا مرکز حضرت مکرم کا واجب الاحترام مزار ہے۔ اس کا ایک بہت خوبصورت اظہار یہ ہے کہ اس علاقے میں وحدانیت اور رسالت کی تبلیغ کرنیوالے تمام بڑے بڑے مشائخ، حضرت مکرم ہی کے مزار پر چلہ کرتے اور اسی دربار فیض سے اجازت اور قوت

عمل حاصل کرتے تھے۔

اجودھن (موجودہ پاک پٹن) کے عظیم شیخ حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی دربار کے دائرہ اثر میں چلہ کیا اور وہیں سے فیض پایا۔ حضرت شیخ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی آستانے سے اجازت حاصل کی۔ دوسرے لفظوں میں حضرت داتا گنج بخش کے فیضان کی وجہ سے لاہور شمالی ہند کے علاقے میں اسلام کی نشر و اشاعت اور تبلیغ کی ایک بہت بڑی تنظیم کا ہیڈ کوارٹر قرار پایا۔ (شہاب لاہور ۴ جون ۱۹۶۸ء)

قلم کا حق

سرکار داتا گنج بخش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار مبارک کے سلسلے میں مولانا کوثر نیازی کے رشحات قلم کے یہ خط کشیدہ فقرے دوبارہ پڑھئے۔

"مزار پر انوار کروڑوں دلوں کی عقیدت و احترام کے مرکز کی حیثیت سے جو روحانی تسکین بہم پہونچاتا اور جس قلبی اطمینان و سکون کے خزانے لٹاتا ہے اس پر شبہ کرنا عقیدے کی قوتوں سے انکار کرنا ہے۔

وحدانیت و رسالت کی تبلیغ کرنیوالے تمام بڑے بڑے مشائخ حضرت مخدوم ہی کے مزار پر چلہ کرتے اور اسی دربار فیض سے اجازت عمل حاصل کرتے تھے۔"

قلم کا یہ نوشتہ اگر مرد مومن کے اس ضمیر کا اعتراف ہے جو صرف حق

سے اگر کسی بات کو قبول کرتا ہے تو میں مولانا کوثر نیازی سے مرد مومن کے کردار کی توقع رکھوں گا۔ نیازی صاحب اُس مکتب فکر سے بے خبر نہ ہوں گے جو مزارات اولیاء کے سلسلے میں نہایت مخدوش اور جارحانہ ذہن رکھتا ہے۔ حقیقت کے چہرے سے نقاب کشائی کے لئے اس موقعہ پر غیر منقسم ہندوستان کی ایک ملک گیر تنظیم "خلافت کمیٹی" کے وفد کی ایک رپورٹ کا تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں جسے چند ہیجان خیز واقعات کی تحقیقات کے لئے ہندوستان سے حجاز بھیجا گیا تھا۔

اس المناک داستان کی تفصیل یہ ہے کہ ۲۲ر اگست ۱۹۲۵ء کو ایک پریس رپورٹر نے لندن سے ہندوستان کی خبر رساں ایجنسیوں کو ایک تار بھیجا جس کا مضمون یہ تھا۔

> باوثوق ذرائع سے یہ خبر موصول ہوئی ہے کہ وہابیوں نے مدینے پر حملہ شروع کر دیا ہے جس سے بہت نقصان ہوا۔ مسجد نبوی کے قبے کو جس میں رسول اللہ کی قبر ہے صدمہ پہونچا اور سیدنا حمزہ کی مسجد شہید کر دی گئی ہے۔

("رپورٹ خلافت کمیٹی" ص ۳)

اس لرزہ خیز خبر سے اچانک اسلامیان ہند میں ایک قیامت نما ہیجان برپا ہو گیا۔ چنانچہ مشتعل عوام کے مطالبے پر "خلافت کمیٹی" نے مختلف جماعتوں کے نمائندوں پر مشتمل ایک وفد حالات کی تحقیقات کے لئے حجاز

روانہ کیا۔ خلافت کمیٹی کا یہ دوسرا وفد تھا جو مندرجہ ذیل ارکان پر مشتمل تھا۔

۱۔ سید سلیمان ندوی ۲۔ مولانا محمد عرفان ۳۔ مولانا ظفر علی خاں

۴۔ سید خورشید حسن ۵۔ مولانا عبدالماجد بدایونی ۶۔ مسٹر شعیب قریشی۔

وفد نے وہاں پہونچ کر اطلاع دی کہ

> مکہ میں جنۃ المعلیٰ کے مزارات شہید کر دئے گئے ہیں۔ مولد النبی (یعنی جس مکان میں حضور کی ولادت باسعادت ہوئی تھی) توڑ دیا گیا ہے۔ لیکن نجدی حکومت نے یقین دلایا ہے کہ مدینے کے مزارات و مآثر کے ساتھ یہ سلوک نہیں کیا جائے گا۔" (رپورٹ خلافت کمیٹی صفحہ ۲۳، مرتب کردہ سید سلیمان ندوی وغیرہ)

پھر ۱۹۲۶ء میں "موتمر عالم اسلامی" کی کانفرنس میں شرکت کے لیے "خلافت کمیٹی" کی طرف سے ایک اور وفد مکۂ مکرمہ بھیجا گیا اس موقعہ پر وفد مذکور نے چشم دید واقعات اور اپنے واپسی تاثرات کی جو رپورٹ شائع کی ہے اس کا یہ حصہ خاص طور سے پڑھنے کے قابل ہے۔

> ۲۰ رمئی کو اکبر جہاز ساحل پر لنگر انداز ہوا اس وقت سب سے پہلی جو وحشتناک اور جگر گداز خبر ہمیں موصول ہوئی وہ جنۃ البقیع اور دیگر مقامات کے انہدام کی تھی۔ لیکن ہم نے اس خبر کے قبول کرنے میں

تامل کیا اس لئے کہ سلطان ابن سعود خلافت کمیٹی کے وفد
کو تحریری وعدہ دے چکے تھے کہ وہ مدینہ منورہ کے تمام مزارات
ماثر کو اپنی اصل حالت پر رکھیں گے۔

(رپورٹ خلافت کمیٹی ۸۲)

اس کے بعد کا یہ ٹکڑا بڑا ہی عبرت انگیز ہے۔ خون کے آنسو آنکھوں سے پڑھیے۔

لیکن جدہ پہونچ کر ہم نے سب سے پہلے ایک رکن حکومت شیخ عبدالعزیز
عتیق سے جب اس خبر کی حقیقت دریافت کی تو انھوں نے تصدیق
کی اور یہ فرمایا کہ نجدی قوم بدعت اور کفر کے استیصال کو اپنا پہلا
فرض خیال کرتی ہے اور اس مسئلہ میں وہ دنیائے اسلام کے مصالح
کی کوئی پرواہ نہیں کریگی خواہ دنیائے اسلام خوش ہو یا ناراض۔
بہرکیف حالات و واقعات کچھ ہی ہوں سلطان عبدالعزیز
کے تمام حتمی اور واجب الایفا وعدوں کے باوجود مدینہ منورہ
کے تمام قبے گرا دئے گئے ہیں۔

(رپورٹ خلافت کمیٹی صفحہ ۸۹)

اور یہ بھی ——

اس سے بھی زیادہ افسوسناک چیز یہ ہے کہ مکہ معظمہ کی طرح مدینہ منورہ
کی بعض مسجدیں بھی نہ بچ سکیں اور مزارات کے قبوں کی طرح
یہ مساجد بھی توڑ دی گئیں جن کی تفصیل یہ ہے۔ (۱) مسجد فاطمہ متصل بقیع

۱. مسجد ثنایا ۔ جہاں جنگ احد میں حضور کا دندان مبارک شہید ہوا تھا
۳. مسجد منارتین ۴. مسجد مائدہ ۵. مسجد اجابہ ۔ (وفد کی رپورٹ ختم)

وفد کے اراکین نے اپنی رپورٹ میں مدینہ طیبہ کے منہدم شدہ مزارات کی جو فہرست شائع کی ہے ذرا اشکبار آنکھوں سے اُسے بھی پڑھ لیجئے۔

مزارات شہزادیان رسالتماب

۱. حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا ۲. حضرت زینب رضی اللہ عنہا ۳. حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا ۴. حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا ۵. حضرت فاطمہ صغرا بنت حضرت امام حسین شہید کربلا رضی اللہ عنہا

مزارات ازواج طیبات

۱. ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۲. ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا ۳. ام المومنین حضرت سودا رضی اللہ عنہا ۴. ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا وغیرہا کل نو ازواج طاہرات جن کے مزاروں کی قطار تختۂ گل کی طرح شاداب رہا کرتی تھی۔

(مزارات صحابہ وتابعین)

۱. امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ۲. حضرت سیدنا عثمان ابن مظعون رضی اللہ عنہما ۳. حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہما ۴. حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہما ۵. شہزادہ رسالتماب

حضرت سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ ۶۔ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ ۷۔ حضرت نافع رضی اللہ عنہ۔ (رپورٹ صلہ)

"خلافت کمیٹی کے وفد کی یہ رپورٹ غیر جانبدار حضرات کی چشمدید اطلاعات پر مشتمل ہے اس لئے اس کی صحت پر کسی طرح کا کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا اس رپورٹ کی روشنی میں صرف اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مولانا کوثر نیازی حضرت داتا گنج بخش کے جس مزار کو عقیدت و احترام کا مرکز قرار دیکر اسے روحانی شادمانی و آسودگی کا سرچشمہ سمجھ رہے ہیں اور جس کے گرد انھوں نے وحدانیت و رسالت کے مبلغین کو اکتساب فیض کرتے دیکھا ہے وہ ان مزارات طیبات سے بڑھکر نہیں ہے جن کے ساتھ نجد کے وحشیوں نے گھوڑوں کی ٹاپوں اور قدموں کی ٹھوکروں سے گستاخیوں کا مظاہرہ کیا ہے

ان لرزہ خیز واقعات پر اگر مولانا کوثر نیازی کی آنکھیں نم ہوگئی ہوں تو میں انھیں باور کرانا چاہتا ہوں کہ مزارات اور روحانی مراکز کے سلسلے میں یہاں بھی وہ گروہ موجود ہے جو ذہنی طور پر تیشہ لئے اس وقت کا انتظار کر رہا ہے جب عقیدت و قانون کا پہرہ اٹھ جائے اور آزادی کے ساتھ وہ ایک کی معنوی جنتوں کو ویرانوں میں تبدیل کر دیں، اقتدار کی بیچارگی کے عالم میں آج جو لوگ مزارات کے مہکتے ہوئے پھولوں پر برہیں اور زبان سے آگ برسا رہے ہیں کل انھیں طاقت کے وسائل بھی میسر آجائیں تو کیا داتا کی نگری، خواجہ کی چوکھٹ، قطب و نظام کی بستی اور کلیر و

پاک پٹن کی آبادی سلامت رہ جائے گی؟ واضح ہے کہ جرائم کے ارتکاب میں اصل چیز ذہن کی آمادگی ہے کر گزرنے کا مرحلہ تو بہت بعد کا ہے۔

مولانا کوثر نیازی داتا گنج بخش کے مزار مبارک کو عقیدت و احترام کا مرکز اور روحانی خزائن و برکات کا سرچشمہ سمجھتے ہیں تو انھیں قلم کے محاذ پر حق کے تحفظ کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے۔ مزارات کی حرمتوں پر پاکستان میں بھی حملہ آوروں کی کمی نہیں ہے' فاران' ترجمان القرآن' اعتصام' چٹان' وغیرہ کے نام سے مختلف مقامات پر جو محاذ جنگ کھولے گئے ہیں وہ کوثر نیازی کو آواز دے رہے ہیں کیا نیازی صاحب ہر طرح کے مفادات سے بالاتر ہو کر صرف حق کی حمایت کے لئے اس آواز کا جواب دیں گے؟

غلاف کعبہ کا جلوس

چند سال ہوئے پاکستان میں خانۂ کعبہ کا غلاف تیار کیا گیا تھا۔ جب اس کی تیاری کا کام مکمل ہو گیا تو جماعت اسلامی کے سربراہ اعلیٰ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے نہایت تزک و احتشام کے ساتھ اس کی نمائش کا اہتمام کیا۔ بڑے بڑے شاہراہوں پر اس کا جلوس نکالا اسپیشل ٹرینوں کے ذریعہ شہر شہر اس کی زیارت کرائی اس موقعہ پر بعض حلقوں کی طرف سے نہایت سنگین قسم کے اعتراضات اٹھائے گئے۔

اعتراض کرنیوالوں میں زیادہ تر وہی لوگ تھے جو جارحانہ ترغیبات کے ذریعہ بات بات پر شرک و بدعت کہنے کے عادی بنا دئے گئے ہیں۔ چنانچہ

ان اعتراضات پر مشتمل مولانا مودودی کے نام ایک مراسلہ ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور میں شائع ہوا۔ جس کے مندرجہ ذیل حصے گہری توجہ سے پڑھنے کے قابل ہیں۔

> حال میں بیت اللہ کے غلاف کی تیاری اور نگرانی کا جو شرف پاکستان کو اور آپ کو ملا ہے وہ باعث فخر و سعادت ہے۔ مگر اس سلسلے میں بعض حلقوں کی جانب سے پہلے تو آپ کی نیت پر حملے کئے گئے اور یہ کہا گیا ہے کہ در اصل آپ اپنی اور اپنی جماعت کے داغ مٹانا چاہتے تھے اور اپنی پبلسٹی کرنا چاہتے تھے اور آئندہ انتخابات میں کامیابی کے خواہاں تھے اس لئے آپ نے اس کام کو اپنے ہاتھ میں لیا تا کہ شہرت بھی حاصل ہو اور الیکشن فنڈ کے لئے لاکھوں روپے بھی فراہم ہوں۔ (ترجمان القرآن لاہور جلد ۵۲ عدد نمبر ۱)

مولانا مودودی کی شخصیت پر بے اعتمادی کا اظہار کرنے کے بعد اب شرعی نقطۂ نظر سے اعتراضات کی تفصیل ملاحظہ ہو۔ لکھتے ہیں۔

> اس کے بعد بعض اعتراضات اصولی اور دینی رنگ میں پیش کئے گئے ہیں مثلاً یہ کہا گیا ہے کہ ۔۔۔۔۔
> (۱) غلاف کعبہ کو قرآن و حدیث میں شعائر اللہ کے زمرے میں شمار

نہیں کیا گیا اس لیے عملاً یا اعتقاداً اس کی تقدیس و تعظیم ضروری نہیں
بس کپڑے کا ایک ٹکڑا ہے اس سے زائد کچھ نہیں خواہ یہ کعبے کی نیت سے
بنے یا نہ بنے۔

غلاف کعبہ کی نمائش و زیارت اور اسے جلوس کے ساتھ روانہ کرنا
ایک بدعت ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافت راشدہ کے دور
میں کبھی ایسا نہیں کیا گیا حالانکہ غلاف اس زمانے میں بھی چڑھایا جاتا
تھا اگر غلاف کی نمائش کرنا اور اس کا جلوس نکالنا جائز ہے تو پھر
ہدی (قربانی) کے اونٹوں کا جلوس کیوں نہ نکالا جائے جنھیں قرآن نے
صراحت کے ساتھ شعائر اللہ قرار دیا ہے۔

جو غلاف ابھی چڑھایا نہ گیا ہو بلکہ چڑھانے کے لیے تیار کیا گیا ہو
وہ تو محض کپڑا ہے آخر وہ کیسے متبرک ہو گیا ہے کہ اس کی زیارت کی
اور کرائی جائے اور اسے اہتمام کے ساتھ جلوس کی شکل میں روانہ
کیا جائے۔

۵۔ یہ فعل بجائے خود احداث فی الدین اور بدعت ممنوعہ ہونے
کے علاوہ بہت سے دیگر بدعات، منکرات اور حوادث کا موجب ہے
چنانچہ غلاف کی اس طرح کی زیارت اور نمائش کا یہ نتیجہ ہوا ہے کہ
مردوں اور عورتوں کا اختلاط ہوا ہے، عورتوں کی بے پردگی اور
بیحرمتی ہوئی ہے، جانیں تلف ہوئی ہیں، نذرانے چڑھائے گئے ہیں۔
غلاف کو چوما گیا ہے اس کے گرد طواف کیا گیا ہے اس سے اپنی حاجات

طلب کی گئی ہیں حتیٰ کہ اس کو سجدے کئے گئے ہیں اور اسے حضرت مخدوم علی ہجویری کے مزار پر چڑھایا گیا ہے۔

(ترجمان القرآن لاہور جلد ۶۰ عدد ۱)

مولانا مودودی کا دلچسپ جواب

اپنے ہی فکری ماحول میں ڈھلے ہوئے ذہن کی اس قیامت خیزی کا جو جواب مولانا مودودی نے سپرد قلم فرمایا ہے وہ اس لحاظ سے بہت زیادہ دلچسپ ہے کہ اپنی گلو خلاصی کے لئے مسلک سے انحراف کی حیرت انگیز کرشمہ سازیوں پر وہ مشتمل ہے جس فراخ دلی کے ساتھ مولانا نے اپنا سارا مکتب فکر اپنی دفاع کی نذر کیا ہے وہ انہی کے قلب و جگر کا حصہ ہے۔ جواب کے مندرجہ ذیل پیراگراف چشم حیرت سے پڑھنے کے قابل ہیں۔ اپنی شخصیت پر الزامات کی صفائی پیش کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ میری نیت ان پر کیسے منکشف ہو گئی اگر وہ علیم بذات الصدور ہونے کے مدعی ہیں تو یہ اس شرک و بدعت سے اشد چیز ہے جس پر وہ گرفت فرما رہے ہیں۔ اور اگر انہوں نے محض قیاس و گمان کی بنا پر یہ بات میری طرف منسوب فرمائی ہے تو شاید انہیں قرآن و حدیث میں صرف شرک و بدعت ہی کی برائی ملی ہو گی۔ بہتان افتراء کے متعلق احکام ان کی نگاہ سے نہیں گزرے ہوں گے۔

(ترجمان القرآن جلد ۶۰)

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ نیتوں کا حال صرف خدا جانتا ہے اور لاریب کہ بدگمانی کی راہ سے بہتان و افترا قرآن و حدیث کی نظر میں بدترین معصیت ہے۔ لیکن بندہ پرور! کیا پوچھ سکتا ہوں کہ قانون کے یہ تحفظات صرف آپ ہی کے حق میں نازل ہوئے ہیں یا اور بھی کوئی شریک ہے زحمت نہ ہو تو ذرا پیچھے پلٹ کر دیکھئے! آپ کی مشہور کتاب "تجدید و احیائے دین" کی یہ سطریں کس کے قلم سے صفحۂ قرطاس پر ثبت ہوئی ہیں۔

> انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کے اثر سے جہاں لوگ خدائے واحد و قہار کی خدائی کے قائل ہو گئے وہاں سے خدائی کی دوسری اقسام تو رخصت ہو گئیں مگر انبیاء، اولیاء، شہداء، صالحین، مجاذیب، اقطاب، ابدال، علماء و مشائخ کی خدائی پھر بھی کسی نہ کسی طرح عقائد میں اپنی جگہ نکالتی رہی جاہلی دماغوں نے مشرکین کے خداؤں کو چھوڑ کر ان نیک بندوں کو خدا بنا لیا۔ (تجدید صـ۱۱)
>
> مشرکانہ پوجا پاٹ کی جگہ فاتحہ، زیارت، نیاز، عرس، صندل، چڑھاوے نشان علم، تعزیئے اور اسی قسم کے دوسرے مذہبی اعمال کی ایک نئی شریعت تصنیف کرلی گئی۔ (تجدید صـ۱۱)
>
> ---
>
> پرانی جاہلی قوم کے جو لوگ اسلام میں داخل ہوئے تھے وہ اپنے ساتھ بہت سے

مشرکانہ تصورات لیے چلے آئے اور یہاں ان کو صرف اتنی تکلیف کرنی پڑی کہ پرانے معبودوں کی جگہ بزرگان اسلام میں سے کچھ نئے معبود تلاش کریں، پرانے معبدوں (بتخانوں) کی جگہ مقابر اولیاء سے کام لیں۔ (تجدید ص۲۵)

نیک بندوں کو خدا بنالینے، ایک نئی شریعت تصنیف کر لینے اور مقابر اولیاء کو بتخانے کی جگہ استعمال کرنے کا الزام عقیدتمندان اولیاء کی نیتوں پر حملہ نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ مزارات مقدسہ کی فیض رسانیوں پر یقین رکھنے والوں کے دلوں کے روزن جھانک کر کیا آپ نے دیکھا ہے کہ وہاں پرستش کے لیے، واقعۃً نیک بندوں کے اصنام رکھے ہوئے ہیں؟

یونہی خانقاہی روایات، زیارت و فاتحہ، اور عرس و نیاز پر عقیدہ رکھنے والوں سے کبھی آپنے یہ دریافت کرنے کی زحمت فرمائی ہے کہ مشرکانہ پوجاپاٹ کے تبادلے میں وہ یہ مراسم انجام دیتے ہیں یا ان تمام چیزوں سے ان کی غرض ایصال ثواب اور اظہار عقیدت ہے۔

صد حیف کہ اپنے سر سے جن الزامات کے دفاع کیلئے آپنے کتاب و سنت کا سہارا لیا ہے وہی الزامات دوسروں کے سر ڈالتے ہوئے آپ کو ذرا بھی دقت پیش نہیں آئی۔ دنیا کا کون مسلمان ہے جو انبیاء و اولیاء کو اپنا معبود سمجھتا ہے اور اصنام کی جگہ قبروں کی پرستش کرتا ہے۔

ہمیں کہنے دیجئے کہ مسلمانوں پر اس طرح کے الزامات عائد کرنیوالے

یا تو علیمٌ بذات الصدور ہونے کے مدعی ہیں یا پھر بدگمانی کی راہ سے بہتان و افترا جیسے بدترین معاصی کے مرتکب ہیں۔

اب جواب کا دوسرا پیراگراف ملاحظہ فرمائیں۔ تحریر فرماتے ہیں۔

> شعائر اللہ کے لفظ کا اطلاق صرف انہی چیزوں پر نہیں ہوتا جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ لفظ استعمال فرمایا ہے بلکہ ہر وہ چیز جو خدا پرستی کی علامت ہو شعائر اللہ میں شمار کی جا سکتی ہے اور جس چیز کو بھی اللہ جل شانہٗ کے حضور پیش کرنے کی نیت کر لی جائے اس کا احترام بجا و درست ہے یہ احترام اس شئی کا نہیں بلکہ اس خدا کا ہے جس کے لئے اسے مخصوص کرنے کی نیت کی گئی ہے۔
>
> (ترجمان القرآن)

خدا کا شکر ہے کہ آج اپنی دفاع کے لیے آپ نے ہمارے منہ کی بات چھین لی ہے۔ رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قیام تعظیمی کی دلیل میں بارہا ہم نے وہ آیت پیش کی جس میں خدا نے ارشاد فرمایا ہے کہ شعائر اللہ کی تعظیم بجا لانا دلوں کے تقویٰ کی نشانی ہے بالآخر آج وقت نے ایک سچی بات کا آپ سے اعتراف کروا ہی لیا۔ اب فرمایا جائے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات خدا پرستی کی علامت ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو ان کی تعظیم کو صرف انہی کی تعظیم آپ حضرات کیوں سمجھتے ہیں؟ اپنے دلوں کو کیوں نہیں سمجھاتے کہ انکی

تعریف کی جائے یا تعظیم؟ خدا پرستی کی علامت ہونے کی حیثیت سے درحقیقت یہ ساری تعریف و تعظیم اس خدا کی ہے جس نے انھیں کائنات گیر عظمتوں کا مالک اور لاشریک فضائل و کمالات کا حامل بنایا ہے۔ پھر اہل اللہ کے ساتھ روحانی ارتباط اور ان کے مزارات کی زیارت اگر خدا پرستی کے رشتے سے نہیں ہے تو بتایا جائے کہ کبھی ہمیں دشمنان حق اور کفار کی قبروں پر بھی کھڑے ہوتے دیکھا ہے ———؟

اب جواب کا تیسرا پیراگراف پڑھئے۔ بدعت کے شرعی مفہوم پر ایک فیصلہ کن بحث کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

> کسی فعل کو بدعت ہونے قرار دینے کے لئے صرف یہی بات کافی نہیں ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ ہوا تھا لغت کے اعتبار سے تو ضرور ہر نیا کام بدعت ہے مگر شریعت کی اصطلاح میں جس بدعت کو ضلالت قرار دیا گیا ہے اس سے مراد وہ نیا کام ہے جس کے لئے شرع میں کوئی دلیل نہ ہو، جو شریعت کے کسی قاعدے یا حکم سے متصادم ہو جس سے کوئی ایسا فائدہ حاصل کرنا یا کوئی ایسی مضرت دفع کرنا مقصود نہ ہو جس کا شریعت میں اعتبار کیا گیا ہے جس کا نکالنے والا اسے خود اپنے اوپر یا دوسروں پر اس ادعا کے ساتھ لازم کرے کہ اس کا نہ کرنا گناہ اور کرنا فرض ہے

یہ صورت اگر نہ ہو تو مجرد اس دلیل کی بنا پر کہ فلاں کام حضور کے زمانہ میں نہیں ہوا اسے "بدعت بمعنی ضلالت" نہیں کہا جا سکتا۔

بخاری نے کتاب الجمعہ میں چار حدیثیں نقل کی ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ عہد رسالت اور عہد شیخین میں جمعہ کی صرف ایک اذان ہوتی تھی۔ حضرت عثمان نے اپنے دور میں ایک اذان کا اضافہ کر دیا لیکن اسے بدعت ضلالت کسی نے بھی قرار نہیں دیا بلکہ تمام امت نے اس نئی بات کو قبول کر لیا۔

حضرت عبداللہ ابن عمر صلوٰۃ ضحیٰ (نماز چاشت) کے لئے خود بدعت اور احداث کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ انہا لمن احسن ما احدثوا یہ ان بہترین نئے کاموں میں سے ہے جو لوگوں نے نکال لئے ہیں۔ نیز فرماتے ہیں کہ یہ بدعت ہے اور اچھی بدعت ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ ما احدث الناس شیئاً احب الی منہا لوگوں نے کوئی ایسا نیا کام نہیں کیا جو مجھے اس سے زیادہ پسند ہو۔ حضرت عمر نے تراویح کے بارے میں وہ طریقہ جاری کیا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کے عہد میں نہ تھا وہ خود اسے نیا کام کہتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں نعمت البدعۃ ھذہ (کیا ہی اچھا یہ نیا کام ہے)۔

اس سے معلوم ہوا کہ مجرد نیا کام ہونے سے کوئی فعل بدعت مذمومہ نہیں بن جاتا ـــــ بلکہ اسے بدعت مذمومہ بنانے کے کچھ شرائط ہیں ـــــ

امام نووی شرح مسلم کتاب الجمعہ میں کل بدعۃ ضلالۃ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں، علماء نے کہا ہے کہ بدعت یعنی باعتبار لغت نئے کام کی پانچ قسمیں ہیں۔ ایک بدعت واجب ہے دوسری بدعت مندوب ہے (یعنی پسندیدہ) تیسری بدعت حرام ہے چوتھی مکروہ اور پانچویں مباح ہے۔

اور تحقیق یہ ہے کہ جو نیا کام شرعاً مستحسن کی تعریف میں آتا ہو وہ اچھا ہے اور جو شرعاً برے کام کی تعریف میں آتا ہے وہ برا ہے ورنہ پھر مباح کی قسم میں سے ہے (فتح الباری)

(ترجمان القرآن)

بدعت کی تشریح میں جو حقائق اوپر سپرد قلم کئے گئے ہیں ان سے اگر صرف اپنا دفاع مقصود نہیں ہے بلکہ واقعۃً مسلک بھی یہی ہے تو مخلصانہ طور پر عرض کروں گا کہ اب ان تمام لٹریچر کو سمندر میں غرق کر دیا جائے جس نے ہند و پاک کے کروڑوں مسلمانوں کو بدعتی بنانے کی مہم چلا کر دنیائے اسلام کا امن و امان غارت کیا ہے اور دینی عدالت کے کٹہرے میں ان تمام بانیان فتن کو ایک بے کار مجرم کی طرح کھڑا کیا جائے جنہوں نے

ذہنی انبساط اور دماغی تفریح کے لئے میلاد وقیام اور عرس وفاتحہ کیخلاف ایک ہونک قسم کی پیکار چھیڑکر مسلم معاشرہ کو دو ملتوں میں تقسیم کردیا ورنہ ثابت کیا جائے کہ غلاف کعبہ کی نمائش اور اس کے جلوس کے جواز کے لیئے بدعت کی جو تشریح آپ کے حق میں قابل قبول ہے وہ میلاد وقیام اور عرس وفاتحہ کے جواز کے لئے ہمارے حق میں کیوں قابل قبول نہیں ہے ؟ -

اب جواب کا چوتھا پیراگراف ملاحظہ فرمائیں۔ تحریر فرماتے ہیں۔

> اس اصولی وضاحت کے بعد اب میں عرض کرتا ہوں کہ غلاف کے کپڑے کا جلوس نکالنا اور اس کی نمائش کا انتظام کرنا بلاشبہ ایک نیا کام تھا جو عہد رسالت اور زمانۂ خلافت راشدہ میں نہیں ہوا مگر میں نے یہ کام اس بنار پر نہیں کیا کہ میں اصلاً اس کی نمائش کرنا چاہتا تھا اور اسے دھوم دھام کے ساتھ بھیجنا ابتداہی سے میری اسکیم میں شامل تھا بلکہ میں نے یہ پروگرام اس وقت بنایا جب سارے ملک میں اس کے لئے عوام کے اندر بے پناہ جذبۂ زیارت خود بخود بھڑک اٹھا اور ـــــ مجھے اندیشہ ہوا کہ یہ شوق اگر خود اپنا راستہ نکالے گا تو بڑے پیمانے پر گمراہی پھیلنے کا موجب بن جائے گا۔
>
> (ترجمان القرآن)

اگر وہ کام شرعاً جائز و محمود تھا تو اس عذر لنگ کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے اور اگر وہ حرام و قبیح تھا تو اب اس سے بحث نہیں کہ وہ آپ کی اسکیم میں شامل تھا یا نہیں؟ آپ کی طرف دینی معصیت کے انتساب کے لیے اس کا ارتکاب ہی کافی ہے۔

اپنی صفائی میں "عوام کے اندر بے پناہ جذبۂ شوق" بھڑک اٹھنے کی بات جتنی مضحکہ خیز ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ کسی امر کے جواز اور اس کی سربراہی کے لیے اگر یہ دلیل کافی ہے تو پھر مولانا مودودی کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ اعراس اور عید میلاد کی محافل کے لیے عوام کے اندر کس قیامت کا جذبۂ شوق بھڑکتا رہتا ہے اس بنیاد پر ان امور خیر کی سربراہی بھی انھیں قبول کر لینی چاہیے۔

بہر حال! مبارک ہو کہ مولانا کی سربراہی میں نہایت تزک و احتشام کے ساتھ خانۂ کعبہ کے غلاف کی نمائش ہوئی، جلوس نکلا، مرد و زن کا اختلاط ہوا، جانیں تلف ہوئیں، نذرانے چڑھائے گئے، غلاف کو چوما گیا اس کے گرد طواف کیا گیا اس سے اپنی حاجات طلب کی گئیں یہاں تک کہ اسے سجدے کیے گئے۔ ایک نہیں، ایک درجن بدعتیں مولانا کے "ظلّ ہمایونی" میں پروان چڑھ گئیں اور مولانا نہ صرف یہ کہ دیکھتے رہے بلکہ انھیں سند جواز بھی عطا فرما دی۔

اب جواب کا آخری پیراگراف ملاحظہ فرمائیں اور وہ سوال جو کبھی ہم ان سے کرتے تھے آج خود انھوں نے اپنے آپ سے کیا ہے۔ زندہ باد گردش ایام!

اب میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کس فقہی قاعدے سے میں بدعت ضلالت کا مرتکب ہوا ہوں اگر سب و شتم کے بجائے کوئی صاحب مجھے بتا دیں کہ پھر بھی یہ بدعت ضلالت ہی ہے تو مجھے نادم و تائب ہونے میں ذرہ برابر تامل نہ ہوگا۔

اگر لوگ اس بنا پر اُس کا (یعنی غلاف کعبہ کا) از خود احترام کریں کہ یہ اللہ کے گھر کے لئے جا رہا ہے یا وہاں سے اتر کر آیا ہے تو اس احترام کو ناروا بھی نہیں کہا جا سکتا۔ یہ تو اس نسبت کا احترام ہے جو اسے اللہ کے گھر سے حاصل ہو گئی ہے اس احترام کے لئے اللہ کی عظمت و محبت کے سوا کوئی دوسرا محرک نہیں۔ اس احترام کو کوئی شخص واجب اور اس کی کسی خاص شکل کو لازم قرار دے تو غلط ہے لیکن کوئی اسے مذموم ٹھہرائے اور خواہ مخواہ شرک قرار دے تو یہ بھی زیادتی ہے۔

(ترجمان القرآن جلد ۲۶ عدد ۱)

دیانت و انصاف سے بتائیے کہ کیا اسی طرح کی زیادتی آپ حضرات نے اہل سنت کے ساتھ نہیں کی ہے۔ اہل اللہ کے مزارات، تبرکات اور ان کی طرف منسوب چیزوں کی جب ہم تعظیم کرتے ہیں تو وہاں آپ کیوں نہیں یقین کرتے کہ احترام و عقیدت کا یہ سارا اہتمام شوق اس نسبت کے لئے ہے جو انہیں اللہ والوں کی ذات سے حاصل ہو گئی ہے اور لاریب کہ اس احترام کے لئے اللہ کی عظمت و محبت کے سوا کوئی دوسرا محرک نہیں ہے۔

کیا ہم جماعت اسلامی کے متعلقین اور ہمدردوں سے یہ توقع رکھیں کہ اپنے سربراہ اعلیٰ کے ان جوابات کی روشنی میں آئندہ وہ سنی مسلمانوں کو مشرک اور بدعتی بنانے کی مہم سے باز رہیں گے۔

(جام نور کلکتہ جولائی ۱۹۶۰ء)

مولانا کوثر نیازی کا جواب

جام نور نے جولائی کے شمارے میں "فکری تصادم کی ایک دلچسپ کہانی" کے عنوان سے ہفتہ وار شہاب لاہور کے ایڈیٹر مولانا کوثر نیازی کے ایک مضمون "داتا کی نگری" پر جو تبصرہ کیا تھا موصوف نے ۲۰ جولائی ۱۹۶۰ء کے شہاب میں جام نور کے تبصرے پر نہایت فنکارانہ تنقید فرمائی ہے۔ تنقید کے بعض دلچسپ حصوں پر جام نور کا جوابی تبصرہ ملاحظہ فرمائیں۔

جام نور نے مولانا موصوف کو اہل سنت کی روایات و معتقدات کے منکرین کے زمرے میں شمار کیوں کیا ہے، اس الزام کا جواب دیتے ہوئے مولانا ارشاد فرماتے ہیں۔

> جہاں تک شہاب یا ایڈیٹر شہاب کے متعلق مولانا ارشد القادری کے ارشادات کا تعلق ہے۔ ان کے متعلق ہمارا تاثر بڑا عجیب ہے مثلاً ہم یہ سمجھتے ہیں کہ مولانا ارشد القادری نے کچھ مفروضے قائم فرمائے

> اور ان پر برق اتنا تیزی کے ساتھ رواں دواں ہو گئے۔ یہاں تک کہ انھوں نے ان کی حیثیت اور مفہوم کو بھی پوری طرح اپنے ذہن کی گرفت میں نہیں آنے دیا۔
>
> بنیادی مفروضہ تو یہی ہے کہ ایڈیٹر شہاب اہل سنت کے معتقدات و روایات کا منکر ہے یا اللہ جب یہ واقعہ کب ہوا تھا جس کا علم ایڈیٹر شہاب کو بھی نہ ہو سکا۔ آیا مولانا اس واردات کی کچھ تفصیلات بیان فرمائیں گے کہ ایڈیٹر شہاب کے عقائد کب چوری ہوئے اور مولانا ارشد القادری کو اس کی اطلاع کن ذرائع سے پہونچی۔
>
> (شہاب لاہور)

سب سے پہلے اس غلط فہمی کا ازالہ کر دینا چاہتا ہوں کہ میرے الزام کی بنیاد مفروضے پر تھی حقائق و واقعات کی شہادت کو "مفروضے" کہنے سے پہلے مولانا کے لئے ضروری تھا کہ اس سلسلے میں وہ مجھے اپنی معلومات کے اظہار کا موقعہ دیتے بہرحال اب اصل بحث کی طرف مولانا موصوف کی توجہ مبذول کراتا ہوں۔

اہل سنت کا لفظ بحث کے جس موقعہ پر میں نے استعمال کیا تھا وہیں سے یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ اہل سنت سے میری مراد کون لوگ ہیں۔

بقول مولانا کوثر نیازی نو سو بائیس برس سے وحدانیت و رسالت کی تبلیغ کرنے والے جو تمام بڑے بڑے مشائخ حضرات داتا گنج بخش کے مزار پر چلہ کرتے اور ان کے دربار فیض سے اجازت و قوت عمل حاصل کرتے آئے

ہیں انہی کے ہم عقیدہ گروہ کو ہم اہل سنت کا صحیح مصداق سمجھتے ہیں۔ اور جو طبقہ اس گروہ سے اعتقاداً متصادم ہے اور اس کی متوارث روایات کو شرک و بدعت قرار دیتا ہے عام ازیں کہ وہ دیوبندی ہوں یا اہل حدیث یا اُن کے حامی و ہمنوا ہم قطعاً انہیں منکرین میں سے شمار کرتے ہیں۔

اہل سنت کی ان روایات کے خلاف دیوبندی مکتب فکر کا انتہا پسندانہ مزاج اور ذہن کی تنگی جارحیت سے مولانا نیازی بے خبر نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود وہ جس شدومد کے ساتھ دیوبندی مذہب فکر کے مراکز لٹریچر اور اس کے مذہبی رہنماؤں کی تقدیس و تصویب اور تائید و حمایت فرماتے رہتے ہیں وہ محتاج ثبوت نہیں ہے۔

مثال کے طور پر ۱۲ رمئی ۱۹۶۸ء کے شہاب میں قرطاس و قلم کے زیر عنوان موصوف نے "خاتون پاکستان" کے غوث اعظم نمبر پر تبصرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔

> یا عبد القادر شیئاً للہ اور گیارھویں شریف وغیرہ کے سلسلے کے مندرجات سے ہمارے اہل علم کا ایک طبقہ ضرور اختلاف کریگا اور یہ اختلافی حصہ اس نمبر میں جگہ نہ پاتا تو بہتر تھا۔
>
> (شہاب لاہور)

انصاف کیجئے! ایک طرف مولانا نیازی اہل سنت کی روایات کے حامی بھی ہیں اور دوسری طرف منکرین کا احترام اس درجہ ملحوظ خاطر ہے کہ کسی

ورق پر اہل سنت کی روایات کا ذکر تک گوارا نہیں فرماتے۔
مولانا کو منکرین کے جذبات کا اتنا ہی پاس تھا تو انھوں نے خود شہاب کے صفحات پر "داتا کی نگری" کے عنوان سے اپنے وہ تاثرات کیوں سپرد قلم فرمائے جن سے منکرین کا اختلاف قطعی ناگزیر ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے قلم کا اخلاص مشکوک نظر آنے لگتا ہے۔
جملہ معترضہ کے طور پر یہ بات نکل آئی ورنہ کہنا یہ تھا کہ مولانا کوثر نیازی اس "اہل علم طبقے" کے مذہبی موقف سے قطعاً باخبر ہیں جو ببانگ دہل اہل سنت کی روایات کا منکر ہے لیکن اس کے باوجود وہ اس کی تقدیس و تصویب فرماتے ہیں۔ غالباً مولانا موصوف اس سے انکار نہیں کریں گے کہ منکرین کی تقدیس و تصویب بھی انکار ہی کی ایک صورت ہے — اب خود مولانا کا عمل اگر اس کے خلاف ہے تو اس الزام کا جواب وہ خود سوچیں کہ ان کے یہاں قول و عمل کا تضاد کیوں ہے۔
البتہ جماعت اسلامی کے معاملے میں مولانا کی پالیسی اس طرح کے تضاد سے بے داغ نظر آتی ہے۔ بعض نظریات و افکار یا طریقہ کار سے اختلاف کی بنیاد پر مولانا اسے گمراہ کن جماعت قرار دے چکے ہیں تو اب کلیتہً اس کی حمایت اور اس کے رہنماؤں کی مدح سرائی سے بھی دستبردار ہیں حالانکہ جزوی اچھائیاں کہاں نہیں ہوتی ہیں۔
یہ قطعاً ایک الگ بحث ہے کہ اہل سنت کی روایات کو حق بجانب سمجھتے ہوئے مولانا نیازی کو ان جماعتوں کی تصویب و حمایت کرنی

جا ہئے یا نہیں جن کا مکتب فکر نہ صرف یہ کہ اہل سنت کی ان روایات کے قطعاً مخالف سمت میں ہے بلکہ انھیں شرک قرار دے کر وہ بالواسطہ اہل سنت کے اسلام ہی کا منکر ہے اس لئے کہنے دیا جائے کہ مولانا نیاز منکرین کی تصویب و مدح سرائی کر کے اپنے حق بجانب ہونے کی ہزار تاویل کر سکتے ہیں لیکن اہل سنت کو مطمئن نہیں کر سکتے کہ وہ منکرین کے زمرے میں شامل نہیں ہیں۔ کیونکہ عقل و دماغ کی سلامتی کے ساتھ بیک وقت ایک جگہ دو متضاد حیثیتوں کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ غالباً مولانا بھی اس سے انکار نہیں کریں گے کہ اسلام میں حق و باطل، شرک و توحید، کفر و ایمان اور صحیح و غلط کے درمیان کوئی قدر مشترک نہیں ہے

مولانا نیازی نے ہم سے اس کی تفصیل دریافت کی ہے کہ ایڈیٹر شہاب کے عقائد کب چوری ہوئے چوری کی تاریخ تو اس وقت ہم بتا سکتے جب ان کی موجودگی کی تاریخ ہمیں معلوم ہو۔

البتہ سترہ سال کی مدت جو جماعت اسلامی کے ساتھ والہانہ وابستگی میں گزری ہے۔ جس کا اقرار خود مولانا کو بھی ہے، وہ قطعاً تاریخ کے اجالے میں ہے۔ ظاہر ہے کہ جماعت اسلامی کے معتقدات و افکار سے ہم آہنگ ہونے کے بعد ہی انھوں نے جماعت کے عہدۂ رکنیت سے لے کر حلقۂ لاہور کے قیم کے منصب تک اپنے آپ کو پہونچایا تھا:

اور واضح رہے کہ جماعت اسلامی کے جن نظریات کو بروئے کار لانے کے

لئے مولانا نے جماعت کے عہد نامے پر اپنے دستخط ثبت فرمائے تھے ان میں عرس و فاتحہ سے متعلق یہ نظریہ بھی شامل ہے۔

> مشرکانہ پوجا پاٹ کی جگہ فاتحہ، زیارت، عرس، صندل چڑھاوے، نشان، علم، تعزیے اور اس قسم کے دوسرے مذہبی اعمال کی ایک شریعت تصنیف کر لی گئی۔
>
> (تجدید و احیائے دین ص۱۱)

دوسرے مقام پر اس نظریے کی وضاحت یوں کی گئی ہے۔

> پرانی جاہلی قوم کے جو لوگ اسلام میں داخل ہوئے تھے وہ اپنے ساتھ بہت سے مشرکانہ تصورات لئے چلے آئے۔ یہاں ان کو صرف اتنی تکلیف کرنی پڑی کہ پرانے معبودوں کی جگہ بزرگان اسلام میں سے کچھ نئے معبود تلاش کریں پرانے معبدوں (بت خانوں) کی جگہ مقابر اولیاء سے کام لیں۔
>
> (تجدید ص۲۵)

ان اقتباسات کی روشنی میں اب چوری کی تاریخ کی نشاندہی کے سلسلے میں اتنی بات ضرور کہہ سکتا ہوں کہ جماعت اسلامی کے عہد نامے پر دستخط کرنے سے پہلے اہل سنت کی ان روایات سے متعلق اگر مولانا کے عقیدے محفوظ بھی تھے تو اس دن یقیناً چوری ہو گئے جس دن انھوں نے اس کتب

فکر کے توثیق نامے پر دستخط ثبت فرمائے جو بانگ دہل ان روایات کو مشرکانہ پوجا پاٹ اور صنم پرستی قرار دیتا ہے۔

مولانا نیازی کہہ سکتے ہیں کہ جماعت اسلامی کی رکنیت قبول کرتے وقت قطعاً میری نیت یہ نہیں تھی کہ میں اپنے متوارث عقیدوں کو ضائع کر رہا ہوں میں عرض کروں گا کہ چونکہ توہین بے خبری ہی کی حالت میں ہوا کرتی ہے۔ آپ نے بھی اس کی نیت کی نہ جب بھی کسی خاص نظام فکر کے قبول کرنے کے معنی ہی یہ ہوتے ہیں کہ اس کے مخالف سمت کے سارے نظام فکر سے آپ انکار کر رہے ہیں جہاں عقل و دیانت کی بارگاہ میں ذہن و فکر کا یہ کھلا ہوا تضاد ہے وہاں شریعت اسلام کی عدالت میں بھی یہ سب سے بڑا جرم ہے کہ بیک وقت دو متضاد حقیقتوں سے سمجھوتہ کیا جائے۔

مولانا نیازی اپنی دفاع میں کہہ سکتے ہیں کہ مدت ہوئی وہ جماعت اسلامی سے مستعفی ہو چکے اب ان پر کیا الزام ہے۔ بات سو فیصدی صحیح ہے لیکن استعفار کے پس منظر سے جو لوگ واقف ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ استعفار کی وجہ اہل سنت کی روحانی تقریبات کو پوجا پاٹ اور صنم پرستی قرار دینے والے نظریات نہیں ہیں بلکہ سربراہ جماعت کی آمریت، جابرانہ پالیسی اور غلط طریقۂ کار ہے۔ اہل سنت کی روایات سے فکری تصادم کی بنیاد پر اگر مولانا مستعفی ہوئے ہوتے تو ستر و سال کی

لمبی مدت جماعت اسلامی کی رفاقت میں کبھی نہیں گزرتی۔

البتہ جماعت اسلامی سے واپس ہوتے وقت اگر مولانا اپنے متوارث عقیدوں کو بھی صحیح وسلامت واپس لے کر آگئے ہیں تو حلفاً وکلاًّ ہم نے کبھی اس کی آرزو نہیں کی کہ وہ منکرین کی صف میں اپنے لئے جگہ پسند فرمائیں تاہم اس خواہش کے اظہار کی اجازت ضرور چاہوں گا کہ اعتقاد و عمل کے تضاد سے اپنی شخصیت کو محفوظ رکھنا ایک مرد مومن کا سب سے روشن کردار ہے۔

بحث کا دوسرا رخ

جام نور نے اپنے جولائی کے شمارہ میں مذہبی معتقدات کی بابت اقرار و انکار کے ردعمل پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا تھا۔

> کسی بھی اخلاقی (اعتقادی) مسئلے میں بحث کے ایک رخ کی صحت تسلیم کر لینے کے بعد دوسرے رخ کا انکار و ابطال دیانت و انصاف کی رو سے ضروری ہو جاتا ہے۔
>
> (جام نور کلکتہ)

مولانا نیازی کو اس مسلمہ سے انکار ہی نہیں شدید انکار ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

> یہ منطق اس وقت یقیناً درست، صحیح اور قابل قبول ہے جب وقت اختلاف

بنیادی عقائد اور اصولی مسائل پر ہو۔ لیکن جہاں صرف فرقہ جو جسکی بنیاد انفرادی رجحان طبع یا ذوق ہو وہاں ابطال یعنی چہ؟

اگر کسی ایک فرد کی روحانی تسکین اس میں ہوتی ہے کہ وہ بزرگوں کے مزارات پر حاضری دے اور ان کے نام کو مرکز فکر بنا کر آگے چلے تو اسے یہ آزادی ہونی چاہیئے۔ اسی حق کے مطابق اگر کسی کا ذوق اس کے برعکس توحید مجرد میں تسکین پاتا ہے تو اسے اپنے ذوق کے مطابق یہ حق ملنا چاہیئے اس پر یہ قدغن کیوں؟ کہ آپ کے سانچے ہی میں ڈھلے یا ہمارے طریق ہی کو مفید سمجھے۔

("شہاب" لاہور ۳ر جولائی ۶۶ء)

ہم نہیں گمان کرتے کہ ابطال و انکار کے معنی سمجھنے میں مولانا کو کوئی دشواری پیش آئی ہوگی۔ ابطال کے معنی حق کے مقابلے میں کسی باطل رخ کو باطل کہنا اور انکار کے معنی صحیح کے مقابلے میں کسی غلط پہلو کو غلط قرار دینا ہے۔

تعجب ہے کہ کسی غلط مسئلے میں بحث و نظر کے اس بنیادی محور ہی سے مولانا کو انکار ہے۔ اگر کسی اختلافی مسئلے کے مثبت اور منفی دونوں ہی پہلو حق ہوں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے اختلافی مسئلہ ہی کیوں کہا جائے گا۔ میرا گمان ہے کہ سطحی عقل رکھنے والے عوام بھی اس انداز فکر کا مذاق اڑائیں گے مولانا تو ماشاء اللہ گہری بصیرت کے مالک ہیں جو غلط کو غلط اور صحیح کو صحیح بھی نہیں کہہ سکتا اسے اختلافی مسائل پر قلم اٹھانے کی ضرورت ہی کیا ہے تحقیق کرکے

بھی آخر وہ خوب و ناخوب کا اظہار کن لفظوں میں کرے گا۔

واضح ہے کہ اس مقام پر ہماری گفتگو اس امر میں نہیں ہے کہ کسی مسئلے کے باطل و منکر رُخ کے ابطال و انکار کی حدود عمل کیا ہیں۔ ہمارا اصرار تو صرف اس بات پر ہے کہ کسی بھی اختلافی مسئلے میں بحث کے ایک رُخ کی صحت تسلیم کرنے کے معنی ہی یہ ہوتے ہیں کہ قائل کے نزدیک یقیناً دوسرا رُخ غلط ہے اور اگر دوسرا رُخ بھی وہ حق اور صحیح سمجھتا ہے تو لازماً اس کے معنی یہ ہوے کہ اس کے مقابل رُخ کی صحت ہی اس نے تسلیم نہیں کی ہے۔ یا تو وہاں وہ غلط بیانی سے کام لے رہا ہے یا پھر یہاں اپنے ضمیر کا خون کرتا ہے دونوں حالتوں میں سے ایک حالت ضرور اس کی ہے۔

بار دیگر ہم اظہار حیرت کے ساتھ مولانا کے اس انکار کو ایک کھلی ہوئی حقیقت کے انکار سے تعبیر کرتے ہوئے سفارش کرتے ہیں کہ موصوف اپنی رائے کی اس واضح ترین غلطی پر نظر ثانی فرمائیں۔

انکشاف حقیقت اب بحث کے اصل موقف سے دو چار زینے نیچے اتر کر مولانا کے اس جواب پر کہ اہل سُنّت کی روایات کے سلسلے میں منکرین کے اختلاف کی نوعیت بالکل فرعی قسم کی ہے' ہم اظہار خیال کرنا چاہتے ہیں امید ہے کہ وہ پوری فراخدلی کے ساتھ ہماری معروضات پر غور فرمائیں گے۔

سب سے پہلے تو ہم نہایت افسوس کے ساتھ مولانا سے اس امر کا

شکوہ کریں گے کہ اعراس مروجہ اور مزارات اولیاء سے استفادہ کے سلسلے میں انھوں نے ایک باخبر شخص کی طرح اختلافات کی نوعیت معلوم کرنے کی کوشش ہی نہیں فرمائی ہے۔

اردو زبان کی سب سے پہلی کتاب جس نے ہندوستان میں سُنّی مسلمانوں کی مذہبی روایات کے خلاف جارحانہ ذہن کا سنگ بنیاد رکھا، اس کا نام "تقویۃ الایمان" ہے۔ مولانا سے عرض کروں گا کسی "بزرگ کے نام کو مرکزِ فکر" بنانے کے متعلق "تقویۃ الایمان" کی ذرا یہ ایمان سوز عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

> جو کوئی کسی کا نام اُٹھتے بیٹھتے لیا کرے اور دُور و نزدیک سے پکارا کرے اور بلا کے مقابلے میں اس کی دُوہائی دیوے، دشمن پر اس کا نام لیکر حملہ کرے اور اس کے نام کا ختم کرے یا شغل کرے... سو ان تمام باتوں سے شرک ہو جاتا ہے۔
>
> ("تقویۃ الایمان" صفحہ ۹)

واضح رہے کہ یہ ساری تفصیلات کسی کے نام کو مرکزِ فکر بنا کر آگے چلنے ہی کی ہیں جس کا ذکر خود مولانا نے اپنے سابق مضمون میں کیا ہے۔ اب مزارات پر حاضری، غلاف پوشی اور عرس کے مراسم مروجہ کے متعلق اسی "تقویۃ الایمان" کی دوسری عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

پھر جو کوئی ..... ایسے مکانوں (یعنی انبیاء و اولیاء کی پکی قبر یا چھوٹی قبر) میں دور دور سے قصد کر کے جاوے، یا وہاں روشنی کرے، غلاف ڈالے، چادر چڑھاوے، ان کے نام کی چھڑی کھڑی کرے، رخصت ہوتے وقت الٹے پاؤں چلے ان کی قبر کو بوسہ دیوے، مورچھل جھلے، اس پر شامیانہ کھڑا کرے، چوکھٹ کو بوسہ دیوے، ہاتھ باندھ کر التجا کرے، مراد مانگے، مجاور بن کر بیٹھ رہے وہاں کے گرد و پیش کے جنگل کا ادب کرے اور اسی قسم کی باتیں کرے سو اس پر شرک ثابت ہوتا ہے اور اس کو "اشراک فی العبادۃ" کہتے ہیں۔ پھر خواہ یوں سمجھے کہ یہ آپ ہی اس تعظیم کے لائق ہیں یا یوں سمجھے کہ ان کی ایسی تعظیم کرنے سے اللہ خوش ہوتا ہے اور اس تعظیم کی برکت سے اللہ مشکلیں کھول دیتا ہے۔ ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے۔

(تقویۃ الایمان صلا)

مولانا سے گزارش کروں گا کہ وہ اس عبارت کی ایک ایک سطر غور سے پڑھ جائیں اور انصاف سے بتائیں کہ کیا اب بھی وہ اس اختلاف کو فروعی اختلاف کہیں گے کیا شرک کے ارتکاب کے بعد بھی کسی شخص کے لیے اسلام میں کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔ ظالم نے تو کسی تاویل کی راہ بھی کھلی ہوئی نہیں رکھی۔ ذاتی اور عطائی کا فرق بھی اٹھا دیا۔ اس کے نزدیک ہر حال میں عرس کرنے والے مشرک! اور شرک پر جو راضی ہو وہ بھی مشرک!!

ہو سکتا ہے کہ مولانا نیازی یہاں یہ تاویل کریں کہ صاحب "تقویۃ الایمان" نے شرک کا لفظ شرک جلی (یعنی اسلام سے خارج کر دینے والے شرک) کے معنی میں نہیں استعمال کیا ہے بلکہ شرک سے ان کی مُراد شرک خفی ہے اور شرک خفی کے ارتکاب سے کوئی اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔

میں عرض کروں گا کہ مولانا کا یہ حسن ظن اس وقت ضرور قابل غور ہوتا جبکہ صاحب "تقویۃ الایمان" نے اپنی یہ مُراد خود ہی واضح نہ کر دی ہوتی کہ "تقویۃ الایمان" میں جہاں جہاں بھی شرک کا لفظ استعمال کیا گیا ہے وہاں وہاں شرک سے مراد شرک جلی ہے۔

حوالہ کے لیے "ارواح ثلاثہ" مرتب کردہ علمائے دیوبند شائع کردہ کتب خانہ امداد الغربا ر سہارنپور ملاحظہ فرمائیں۔ اس کے صفحہ ۸۱ پر صاحب "تقویۃ الایمان" مولوی اسمٰعیل دہلوی کے سوانح نگار یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جب "تقویۃ الایمان" لکھ کر تیار ہو گئی تو مصنف نے اسے اپنے دوستوں کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا۔

> میں نے یہ کتاب لکھی ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس میں بعض جگہ تیز الفاظ بھی آگئے ہیں اور بعض جگہ "تشدد" بھی ہو گیا ہے مثلاً ان اُمور کو جو شرک خفی تھے شرک جلی لکھ دیا گیا ہے۔ ان وجوہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی اشاعت سے شورش ضرور ہو گی۔۔۔۔ گو اس سے شورش ہو گی مگر توقع ہے کہ لڑ بھڑ کر خود ٹھیک ہو جائیں گے۔ ("ارواح ثلاثہ" صا۸)

اندیشے کے مطابق شورش ہوئی اور اتنی ہوئی کہ درۂ خیبر سے لے کر مدراس کے ساحل تک سارا کشورِ ہند آج تک اسی لگائی ہوئی شورش کی آگ میں سلگ رہا ہے۔

اندیشہ تو صحیح نکلا لیکن توقع ابتک پوری نہیں ہوئی۔ خدا ہی جانتا ہے کہ تقویۃ الایمان کے چلتے لوگ کب تک آپس میں لڑتے رہیں گے۔

کیا اس اقبالِ جرم کے بعد بھی کوئی انصاف و دیانت کا خون کئے بغیر یہ کہہ سکتا ہے کہ دیدہ و دانستہ تقویۃ الایمان کی اشاعت کا مقصد مسلمانوں کے درمیان خانہ جنگی اور مذہبی پیکار و جدال برپا کرنا نہیں تھا۔ ملت اسلامیہ کی شیرازہ بندی کے حق میں کتنی زہر آلود کتاب ثابت ہوئی یہ؟ کاش وہ منحوس گھڑی نہ آئی ہوتی جب اہل ایمان کی روحانی آسائش کے خلاف شیطان کی یہ سازش کامیاب ہوئی تھی۔

شرک سے شرکِ جلی مراد ہونے کے متعلق خود مصنف کا یہ اقراری بیان بھی اگر مولانا کے لئے تسلی بخش نہ ہو تو وہ تقویۃ الایمان ہی اٹھا کر دیکھ لیں خود کتاب ہی انھیں یقین دلا دے گی کہ مسلمانوں کو حقیقی معنوں میں مشرک بنایا گیا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ مولوی اسمٰعیل دہلوی لکھتے ہیں۔

> پیغمبر خدا کے وقت میں کافر بھی اپنے بتوں کو اللہ کے برابر نہیں جانتے تھے بلکہ اسی کا مخلوق اور اسی کا بندہ سمجھتے تھے اور ان کو اس کے مقابل

> کی طاقت ثابت نہیں کرتے تھے مگر یہی پکارنا، منتیں ماننی اور نذر و نیاز کرنی اور اپنا وکیل و سفارشی سمجھنا یہی ان کا کفر و شرک تھا۔ سو جو کوئی کسی سے یہ معاملہ کرے گو کہ اس کو اللہ کا بندۂ مخلوق ہی سمجھے ابو جہل اور وہ شرک میں برابر ہے۔"
>
> "(تقویۃ الایمان صث)

ظاہر ہے کہ ابو جہل کے ساتھ شرک میں برابری تو جبھی ہو گی جبکہ وہ بھی ابو جہل کی طرح شرک جلی کا مرتکب ہو اور ابو جہل کی طرح کافر و مشرک قرار پائے۔

ان شواہد و عبارات کی روشنی میں اب مولانا ہی انصاف و دیانت سے بتائیں کہ حضرت داتا گنج بخش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار اقدس کے فیوض و برکات، حضرت موصوف کے باطنی تصرفات اور عرس پاک سے متعلق انھوں نے ۱۴ جون کے "شہاب" میں اپنے جن تاثرات کا اظہار فرمایا تھا اگر وہ ان کے نزدیک روح اسلامی سے ہم آہنگ ہیں تو "تقویۃ الایمان" کے زیر اثر جو لوگ ان امور کو شرک جلی سمجھتے ہیں کیا مولانا ان کے اس موقف سے بھی اتفاق فرمائیں گے۔؟

اور بیک وقت اپنے تاثرات کی مخالف سمت کی بھی توثیق فرما کر کیا مولانا دانشوروں کی صف میں رہنے کا جواز حاصل کر سکیں گے؟ اور پھر جس چیز کو ایک بار انھوں نے اسلام کی روح سے ہم آہنگ تسلیم کر لیا ہے کیا اب اس کے شرک جلی ہونے کا انکار مولانا کے لئے ضروری نہ ہوگا۔؟

عقل و انصاف کا تقاضا ہے کہ ہوگا! اسلامی دیانت بھی کہتی ہے کہ ہوگا،

فنِ استدلال کا بھی اصرار ہے کہ ہوگا، اہلِ اسلام کے سوادِ اعظم کا بھی مطالبہ ہے کہ ہوگا لیکن ایک تنہا مولانا کی رائے ہے کہ نہیں ہوگا ـــــ اب اہلِ علم ہی فیصلہ کریں کہ وہ کس کے ساتھ ہیں۔

ایک جائزِ مطالبہ اب ان سارے مباحث کی روشنی میں یا تو مولانا موصوف اپنے تاثرات سے رجوع فرمائیں یا پھر "تقویۃ الایمان" کے ساتھ اپنے ان تاثرات کا پیوند جوڑ کر دکھلادیں۔

ان دو راہوں میں سے ایک راہ انھیں بہرحال اختیار کرنا ہوگی۔

مولانا کو اپنے وہ تاثرات یاد نہ ہوں تو پھر انھیں تازہ کر دینا چاہتا ہوں تاکہ واضح طور پر وہ اپنے تاثرات اور "تقویۃ الایمان" کی مذکورہ بالا عبارتوں کا تقابلی مطالعہ کر کے حق و باطل کے درمیان ایک نظر آنے والی لکیر کھینچ سکیں۔

موصوف نے حضرت سلطان العارفین سرکار داتا گنج بخش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزارِ اقدس کے متعلق ان لفظوں میں اپنے تاثرات کا اظہار فرمایا تھا۔

> مزار پر انوار کروڑوں دلوں کے عقیدت و احترام کے مرکز کی حیثیت سے جو روحانی تسکین بہم پہونچاتا اور جس قلبی اطمینان و سکون کے خزانے لٹاتا ہے اس پر شبہ کرنا عقیدے کی قوتوں سے انکار کرنا ہے۔
>
> ("شہاب" لاہور ۲۸ جون)

کچھ دور آگے چل کر یہ بھی ارشاد فرمایا تھا۔

> وحدانیت و رسالت کی تبلیغ کرنیوالے تمام بڑے بڑے مشائخ حضرت مخدوم ہی کے مزار پر چلہ کرتے اور اسی دربار فیض سے اجازت اور قوت عمل حاصل کرتے تھے۔
>
> (شہاب "لاہور ۲۸ رجون)

اب ذرا پیچھے پلٹ کر "تقویۃ الایمان" کی مذکورہ بالا عبارتوں پر بھی مولانا موصوف ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈال لیں۔ وہی "تقویۃ الایمان" جس کی گستاخ اور اسلام شکن عبارتوں کو دیو بندی حضرات اپنے سینے سے لگائے پھرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کسی مزار کی طرف رُوحانی تسکین بہم پہونچانے اور قلبی اطمینان و سکون کا خزانہ لٹانے کی نسبت ہی "تقویۃ الایمانی شریعت" میں شرک جلی سے کم نہیں ہے اور عقیدے کی قوتوں کا انکار دیکھنے کے لئے تو کسی ایک صفحے کا مُطالعہ ہی بہت کافی ہے۔

تقویۃ الایمانی تعزیرات کی رُو سے مزار پر چلہ کرنے اور صاحب مزار سے اجازت و قوت عمل طلب کرنے کے بعد تو سرے کوئی مُسلمان ہی نہیں رہ جاتا۔ ایسے لوگوں کو وحدانیت و رسالت کے مبلغین اور بڑے بڑے مشائخ اسلام سے تعبیر کرنا مذہب و عقل کا کھلا ہوا تضاد نہیں تو اور کیا ہے۔

اب اس تضاد کو مولانا نیازی کس طرح دُور کریں گے، یہ ان کا عمل ہی بتائیگا۔

ایک غلط استدلال | اب اپنے موقف کی حمایت میں مولانا کی ایک حیرت انگیز دلیل اور ملاحظہ فرمایئے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

> خود مشائخ عظام اسی مسلک کے پابند رہے۔ چنانچہ اکثر مشائخ کئی کئی سلسلوں میں بیعت تھے۔ ان میں کسی کو ترجیح ضرور دیتے تھے لیکن اس ترجیح کی بنا پر دوسرے کا ابطال و انکار انھوں نے کبھی واجب نہیں سمجھا۔ ایسا نہیں ہوا کہ قادری سلسلے کے کسی شیخ نے نقشبندی سلسلے کے کسی بزرگ کے ابطال پر کمر باندھ لی۔
>
> ("شہاب" لاہور ۴ر جون)

یا للعجب! مولانا کے قلم نے اگر سہو نہیں کیا ہے تو عرض کروں گا کہ ایک بار وہ خود اپنی اس تحریر پر نظر ثانی فرمائیں مجھے یقین ہے کہ خود انھیں بھی اپنے "قیاس مع الفارق" پر افسوس ہوگا۔

دراصل بات جب چل رہی ہے جہاں ان مسائل کے متعلق جو صحت و غلط، حلت و حرمت، اور اسلام و شرک کی دو مختلف جہتوں میں سے کسی ایک جہت پر مشتمل ہیں لازماً ایسے مسائل میں کسی ایک جہت کی صحت تسلیم کر لینے کے بعد دوسری جہت کے ابطال و انکار کا سوال پیدا ہو سکتا ہے لیکن جہاں اس طرح کا اختلاف ہی نہیں ہے وہاں کسی ایک رخ کے ابطال و انکار کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔

بیعت و ارشاد کے مختلف سلاسل کے درمیان صحت و غلط، حلت و حرمت اور اسلام و شرک کا سرے سے کوئی اختلاف ہی نہیں ہے۔ یہ سارے سلاسل

متعدد ہونے کے باوجود اپنی اپنی جگہ پر بلا اختلاف ہر ایک کے تئیں محمود و مستحسن ہیں۔ خود مولانا نے بھی ان میں سے کسی ایک کی ترجیح کا ذکر کر کے اس حقیقت کا اعتراف کر لیا ہے کہ حسن و صحت کے اعتبار سے یہ سبھی سب آپس میں مساوی ہیں لہٰذا ان متفقہ مسائل پر مختلف فیہ مسائل کا قیاس جتنا مضحکہ خیز ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔

تعجب ہے کہ اتنی سطحی بات مولانا کے قلم سے کیونکر صفحۂ قرطاس پر صادر ہوئی۔ اپنے ایک "غلط موقف" کی حمایت میں بلا وجہ انھوں نے مشائخ طریقت کا دامن بھی آلودہ کیا جب کہ ان مقدس ہستیوں کی زندگی ہمیشہ اعتقاد و عمل کے تضاد سے محفوظ رہی ہے۔

ویسے مولانا کو ہم مجبور نہیں کرتے کہ وہ اعتقاد و عمل کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے "ہمارا ہی موقف اختیار کر لیں لیکن اتنی بات عرض کرنے کی اجازت ضرور چاہیں گے کہ کردار کی معقولیت ان کے موقف کے ساتھ قطعاً نہیں ہے۔

بحث کے آخری مرحلے میں اس غلط فہمی کا ازالہ ضروری سمجھتا ہوں کہ "ابطال و انکار" سے ہماری مراد بالکل یہ نہیں ہے کہ حزب مخالف کے لئے اکراہ کی صورت پیدا کی جائے یا نجد کے وہابیوں کی طرح ہلاکت خیز تشدد کا راستہ اختیار کیا جائے۔ لیکن قولاً، عملاً اور اعتقاداً کسی امر ناحق کو ناحق سمجھنے اور ظاہر کرنے میں آخر کیا قیامت اٹھ کھڑی ہوتی ہے۔

اگر جماعت اسلامی اور اخوان المسلمین کی مذمت اور پردہ دری سے "شہاب" کا تالاب گندہ نہیں ہوتا تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ دوسری باطل جماعتوں کی نقاب کشائی سے وہ گندہ تالاب بن جائیگا

قہرالٰہی کا تازیانہ ایک سال کا عرصہ ہوا علمائے اہل سنت کو سب و شتم کرنے اور مغلظ گالیاں دینے کے لئے کانپور سے دیوبندی فرقے کا ایک پندرہ روزہ اخبار بنام "پیام ملت" جاری ہوا ہے۔ سامنے چند پھکڑباز، علم و تہذیب عاری اور گندہ ناتراش رنگروٹ ہیں جنھیں منہ لگانا بھی اہل علم اپنی توہین سمجھتے ہیں لیکن پس پردہ ساری دیوبندی برادری ان بازاریوں کی پشت پر ہے۔

چونکہ ظاہری طور پر ان کی تمام تر سرگرمیوں اور فتنہ پردازیوں کا مرکز ان کی مذہبی درسگاہ "جامع العلوم کانپور" ہے اس لئے یہ دیکھ کر کہ دیوبندی فرقے کا ایک ذمہ دار ادارہ ان کی پشت پناہی میں ہے انھیں قابل التفات سمجھ لیا گیا۔ اور اختلافی مسائل پر ایک فیصلہ کن جلسے کے لئے ۱۵ر جولائی ۱۹۶۲ء کی تاریخ مقرر کی گئی۔

لیکن اب یہ دلچسپ قصہ سننے کہ تاریخ مقررہ پر جب راقم الحروف (ارشد القادری) مولانا مشتاق احمد نظامی، مولانا مفتی شریف الحق امجدی مولانا غلام مصطفےٰ وارثی، مولانا عبدالسمیع کانپوری، مولانا شاہد رضا خاں حشمتی اور مولانا قاری احمد حسن سنبھلی آٹھ بجے صبح کو جامع العلوم میں

پہونچے تو یہ معلوم کر کے سخت حیرت ہوئی کہ اس قافلۂ آوارہ کے سالار ہی مارے دہشت کے کانپور سے کہیں فرار ہو گئے ہیں۔

چار و ناچار دل کا حوصلہ دل میں ہی لئے ہوئے بادلِ ناخواستہ ہم لوگ کافی انتظار کے بعد وہاں سے اہلِ سنت کی مرکزی درس گاہ "احسن المدارس" لوٹ آئے۔ آناً فاناً آتشِ صحرا کی طرح کانپور کے طول و عرض میں یہ خبر پھیل گئی ہر شخص ان کے شرمناک فرار، علمی بزدلی اور مذہبی ذلت پسندی پر انھیں ملامت کر رہا تھا۔

لَعْنَةُ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ لیکن حیرت ہوتی ہے اس ننگی بے حیائی اور شرافت سوز بے غیرتی پر کہ دریائے گنگا میں ڈوب مرنے کے بجائے پھر چند ہی دن کے بعد یہ بھاگے ہوئے روسیاہ کانپور واپس لوٹ آئے۔ اور کھلی ہوئی آبروریزی کے بعد بھی برادری والوں نے انھیں پھر اپنے یہاں رکھ لیا ــــــ ابھی عبرتناک ذلتوں کا وہ کاری زخم بھی شاید بھرا نہ ہوگا کہ ان دشنام طرازوں نے پھر اپنی شرارتوں اور فتنہ پردازیوں کا موروثی پیشہ شروع کر دیا ہے۔

چنانچہ اس بار اکتوبر ۱۹۵۸ء کے تازہ شمارہ میں ظالموں نے اعلیٰحضرت امام اہل سنت فاضل بریلوی رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ کی ذاتِ گرامی پر یہ بہتان تراشا ہے کہ انھوں نے اپنے رسالہ "اعلام الاعلام بأنّ الھند دار الاسلام" میں انگریز کو خلیفۃ اللہ فی الارض لکھا ہے۔ اخبار کا متن یہ ہے۔

بانی فرقہ رضاخانیت نے "اعلام الاعلام بان الهند دار الاسلام" میں لکھا ہے کہ انگریز خلیفۃ اللہ فی الارض ہے۔ یعنی جس طرح اسلامی دور حکومت میں خلیفۂ وقت کو اللہ کا خلیفہ اور نائب زمین پر تصور کیا جاتا تھا اسی طرح انگریز بھی اس زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے اور انگریزوں کی حکومت اسلامی حکومت ہے۔

(پیام ملت کانپور)

اہل سنت وجماعت کو فرقہ رضاخانیت سے تعبیر کرنا منجملہ ان گالیوں کے ایک گالی ہے جو انھیں اپنے بڑوں سے وراثت میں ملی ہے ویسے لکھنؤ کے بھٹیاروں سے ڈھلے ہوئے الفاظ کا شکوہ ہی بے سود ہے کہ یہ ان کی مادری زبان ہے۔

اس صریح جھوٹ، ناپاک افترا اور بے بنیاد الزام کے جواب میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ کانپور سے لے کر سہارنپور تک پوری برادری میں کوئی بھی زبان وقلم کا دھنی اور بات کا پکا ہو تو اعلام الاعلام میں دکھلادے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے انگریز کو خلیفۃ اللہ فی الارض لکھا ہے اور ان کی حکومت کو معاذ اللہ اسلامی حکومت سے تعبیر کیا ہے

دکھلانے والے کے لئے میری طرف سے مبلغ ایک لاکھ روپے کے انعام کا اعلان کیا جاتا ہے۔ ساتھ ہی اس کا بھی اعلان کرتا ہوں کہ جمشید پور تک اس کی آمد ورفت کا کرایہ بھی میرے ذمہ ہوگا اور اگر نہیں دکھلا سکتے اور

چیلنج کرتا ہوں کہ قیامت تک نہیں دکھلا سکیں گے تو ایڈیٹر اور مراسلہ نگار بقلم خود کو وارننگ دیتا ہوں کہ وہ اخبار کی پہلی اشاعت میں غیر مشروط معافی نامہ شائع کرکے "فنِ صحافت" اور "فنِ ہرزہ سرائی" کا فرق واضح کریں۔

دارالاسلام کی بحث کفار و مشرکین کا وہ ملک جہاں اسلام کا ایک حکم بھی جاری نہ ہونے دیا جائے اسے "دارالحرب" کہا جاتا ہے۔ پھر وہ ملک اگر مسلمانوں کے قبضے میں آجائے اور وہاں اسلام کے بعض احکام بھی جاری ہو جائیں تو وہ "دارالاسلام" بن جاتا ہے۔

ہندوستان کی صورتِ حال یہ ہے کہ مسلمان بادشاہوں کے آنے سے قبل ہندو راجاؤں کے زمانے میں یہ قطعاً دارالحرب تھا لیکن مسلمان بادشاہ جب اس ملک پر قابض ہوئے اور انھوں نے یہاں اسلامی احکام جاری کئے تو یہ "دارالاسلام" بن گیا اور اس وقت سے ابتک یہ "دارالاسلام" ہی ہے کہ یہاں اسلام کے بعض احکام جیسے اذان، نماز، جمعہ، عیدین، جنازہ، نکاح، طلاق، عقیقہ، قربانی، ختنہ وغیرہ آزادی کے ساتھ رائج ہیں آئینی طور پر بھی مسلمانوں کے مذہبی حقوق اس ملک میں محفوظ ہیں بالفاظ دیگر ہندوستان کو "دارالحرب" قرار دینے کے معنی یہ ہیں کہ یہ صرف کافروں کا ملک ہے اس ملک پر مسلمانوں کا نہ کوئی پیدائشی حق ہے نہ آئینی و سیاسی۔

اتنی تمہید سمجھ لینے کے بعد اب اصل بحث کی طرف آئیے مذکورہ بالا وجوہات کی بنیاد پر امام اہل سنت فاضل بریلوی نے اپنے رسالہ میں ہندوستان کو "دارالاسلام"

قرار دیا ہے اور اپنے موقف کی تائید میں فقہ حنفی کے اتنے دلائل جمع کر دئے ہیں کہ کسی بھی حنفی مسلمان کو مجال انکار نہیں ہے۔

پھر یہ بھی سن لیا جائے کہ ہندوستان کو دارالاسلام قرار دینے میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی تنہا نہیں ہیں بلکہ ہندوستان کے اکثر علماء کی بھی یہی رائے ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالحئی فرنگی محلی لکھنوی نے بھی اپنے فتاویٰ میں ہندوستان کو دارالاسلام قرار دیا ہے۔

حوالہ کے لئے ان کے مجموعۃ الفتاویٰ کی یہ عبارت ملاحظہ فرمائیے

سوال۔ سود گرفتن از ہندو جائز است یا نہ؟ جواب۔ نا جائز است زیراچہ در دارالاسلام سود دادن و گرفتن حرام است۔	سوال۔ ہندو سے سود لینا جائز ہے یا نہیں؟ جواب۔ نہیں۔ اس لئے کہ دارالاسلام میں سود کا لین دین حرام ہے۔

(مجموعۃ الفتاویٰ ص۹۵ جلد سوم)

ظاہر ہے کہ ہندوستان ان کے علم و تحقیق میں دارالاسلام ہے کیونکہ دارالاسلام نہ ہوتا تو کبھی بھی اسے دارالاسلام قرار دے کر ہندو سے سود کے عدم جواز کا فتویٰ نہ دیتے۔

خود اپنی گواہی ہندوستان کے دارالاسلام ہونے کے متعلق خود فرقہ دیوبندیہ وہابیہ کے عظیم پیشوا مولانا رشید احمد گنگوہی نے بھی اس امر کی صراحت کی ہے کہ اکثر علمائے اسلام ہندوستان کو دارالاسلام قرار دیتے ہیں۔ حوالہ

کے لیے موصوف کا یہ فتویٰ ملاحظہ فرمائیں۔

> سوال۔ ہندوستان دار الحرب ہے یا دار الاسلام؟ مدلل ارقام فرمائیں۔
> جواب۔ دار الحرب ہونا ہندوستان کا مختلف علمائے حال میں ہے۔ اکثر دار الاسلام کہتے ہیں۔ اور بعض دار الحرب۔ بندہ اس میں فیصلہ نہیں کرتا۔
> (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۵)

اسی مسئلے پر دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

> ہند کے دار الحرب ہونے میں اختلاف علماء کا ہے۔ بظاہر تحقیق حال بندہ کو خوب نہیں ہوئی۔ حسب اپنی تحقیق کے سب نے فرمایا ہے۔
> (فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۵ ج ۲)

اب علمی تحقیق و دیانت کے افلاس کا ایک تماشا ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں تو شیخ گنگوہی لکھ گئے کہ "بندہ اس میں فیصلہ نہیں کرتا" اور "تحقیق حال بندہ کو خوب نہیں ہوئی" لیکن علم و تحقیق سے اسی تہیدست "بندہ" نے تیسری جگہ ہندوستان کے متعلق دار الاسلام ہونیکا فیصلہ بھی صادر فرما دیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

> سوال۔ ان بلاد میں نصاریٰ کو اپنے روپیہ دیدینا اور اس پر سود لینا جائز ہے یا نہیں؟
> جواب۔ کفار سے بھی سود لینا درست نہیں فقط
> (فتاویٰ رشیدیہ ص ۸ ج ۲)

جب گنگوہی صاحب ہندوستان میں کافروں کے ساتھ سود کے لین دین کو ناجائز قرار دے رہے ہیں تو لامحالہ ان کے نزدیک بھی ہندوستان دارالحرب نہیں بلکہ دارالاسلام ہے۔

واضح رہے کہ یہ ساری بحث اسی ہندوستان کے متعلق ہے جب یہاں انگریزوں کی حکومت تھی۔ اسی ہندوستان کو اکثر علماء کے ساتھ مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی اور مولانا رشید احمد گنگوہی دارالاسلام قرار دے رہے ہیں۔

اب کانپور کے دیوبندی علماء بتائیں کہ ہندوستان کو دارالاسلام قرار دینا اگر ان کے نزدیک ملت سے غداری ہے تو ہندوستان کے اکثر علماء کے ساتھ خود ان کے گنگوہی جی بھی غدار ملت ہوئے یا نہیں؟۔

ایک آخری تازیانہ ایک سال ہوا بونیا مدھیہ پردیش کے مناظرہ میں بھی مبلغ دارالعلوم دیوبند مولوی ارشاد احمد نے بھی امام اہل سنت فاضل بریلوی پر یہ الزام ایسے لب ولہجہ میں عائد کیا تھا جیسے انھوں نے ہندوستان کو دارالاسلام قرار دے کر معاذ اللہ اسلام کی دیوار ڈھادی ہے۔

لیکن جب انکی جہالت کا نقاب الٹ دیا گیا تو تلملا کے رہ گئے مجھے یقین ہے کہ آج تک اس چوٹ کی خلش ان کے دل میں موجود ہوگی۔ تعجب ہے ان حضرات کی شرمناک جسارت پر کہ نہ گھر کی خبر نہ باہر کی، نہ کتابوں سے شناسا نہ مذہبی معلومات سے کوئی سروکار! اندھیرے میں بیٹھ کر تیر چلاتے ہیں یہ بھی

نہیں دیکھتے کہ نشانے پر کون ہے ؟۔

اسی الزام کا جواب دیتے ہوئے جب میں نے بولیا کے مباحثے میں ان سے اور ان کے سامنے اخوان و انصار سے یہ سوال کیا کہ "ہندوستان کی جنگ آزادی کو تو آپ حضرات بالکل "جنگ بدر و حنین" سمجھتے ہیں اس لئے برطانوی دور حکومت کا ہندوستان آپ حضرات کے نزدیک دار الحرب تھا لیکن اب بتایئے کہ کانگرسی دور حکومت کا یہ ہندوستان دار الحرب ہے یا دار الاسلام ؟۔

جواب دیتے وقت یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ نظام حکومت اب بھی وہی غیر اسلامی ہے۔ صرف نظام چلانے والے ہاتھ بدل گئے ہیں" تو یقین جانئے کہ ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ دار الاسلام کہہ نہیں سکتے تھے کہ مسلمانوں سے شرم آرہی تھی کہ سب کے سامنے منھ سے تھوکا ہوا کیسے چاٹیں۔ اور دار الحرب کہتے ہوئے ڈپٹی کمشنر اور ایس پی صاحب کا خطرہ تھا جو سامنے بیٹھے ہوئے تھے اسی کشمکش میں وہ کوئی جواب نہیں دے سکے اور ہمارا سوال آج تک ان حضرات کے ذمہ قرض رہ گیا۔

آج بھی ببانگ دہل کہہ رہا ہوں کہ کسی میں بھی دم خم ہو تو ہمارے سوال کا جواب شائع کر کے اپنی پوری برادری کے سر سے قرض اتار دے۔

(جام نور کلکتہ بابت نومبر ۶۶ء)

کلمۂ طیبہ کے خلاف ایک نیا فتنہ علمائے دیوبند نے ایک صدی کے اندر اپنے فرقے کے لوگوں کا جو ایک ذہن بنا دیا ہے کہ جو چیز بھی اپنی موجودہ

ہیئت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے زمانے میں موجود نہ ہو وہ بدعت ہے ناجائز اور حرام ہے، وہی ذہن اب اُمت مسلمہ کے لئے عذاب بنتا جا رہا ہے۔

چنانچہ اس گمراہ کن ذہنیت کے نتیجے میں جو لوگ اب تک میلاد و قیام اور عُرس و فاتحہ کے خلاف برسرپیکار رہتے تھے، اب انھوں نے کلمۂ طیبہ کے خلاف ایک نیا محاذ کھولا ہے جہاں سے اعلانیہ وہ کلمۂ طیبہ کا انکار کر رہے ہیں۔

اس واقعہ کی عبرتناک تفصیل یہ ہے کہ قاری طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے "کلمۂ طیب" کے نام سے ایک کتابچہ شائع کیا ہے جس میں انھوں نے نہایت حسرت کے ساتھ اس امر کا انکشاف کیا ہے کہ کچھ لوگ کلمۂ طیبہ کے خلاف ایک نیا فتنہ اٹھا رہے ہیں ان کہنا یہ ہے کہ کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ موجودہ ہیئت و ترکیب کے ساتھ کلمۂ واحدہ کی صورت میں حضور کے زمانے میں موجود نہیں تھا اس لئے یہ بدعت ہے۔

قاری طیب صاحب نے اپنے کتابچے میں ان کی دلیل کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔

> کلمۂ طیبہ اس ہیئت ترکیبی کے ساتھ قرآن و حدیث میں کہیں موجود نہیں ہے حتیٰ کہ کسی صحابی کے قول سے بھی ثابت نہیں ہے۔
>
> (کلمۂ طیب صفحہ ۱۲)

اس کے ساتھ ایک دلچسپ خبر یہ بھی ہے کہ رائج الوقت کلمۂ طیبہ کا انکار اکھونج

کسی بغاوت کے جذبے میں نہیں کیا ہے بلکہ اس کے پیچھے قطعاً دینی مصلحت اور امّت کی خیر خواہی کے جذبے کی نمائش کی گئی ہے چنانچہ قاری طیب صاحب اپنے کتابچے میں ان کے انکار کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> فکر کے بارے میں امّت کو کتاب و سنّت کے معیار سے گرنے نہ دیا جائے اور جو چیز امت میں کتاب و سنّت کے خلاف رواج پکڑ جائے اس کا بدلا انکار کرکے امّت کو پھر سے کتاب و سنّت کی طرف سے آیا جائے۔
>
> (کلمۂ طیب صفحہ ۱۹)

غضب کی بات یہ ہو گئی ہے کہ ظالموں نے یہ سوال خود قاری طیّب صاحب سے کیا ہے۔ حالانکہ بدعت کے سوال پر دونوں فریق کے سوچنے کا انداز بالکل ایک ہے۔ قاری طیّب صاحب کا جواب اس لحاظ سے بڑا ہی دلچسپ اور عبرت آموز ہے کہ جگہ جگہ انھیں اپنی جماعت کا ذہنی سانچہ توڑنے میں سخت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔

کتنے ہی بار انھوں نے اپنے جماعتی موقف سے انحراف کیا ہے اور نہایت بیدردی کے ساتھ اپنے بزرگوں کے مسلک کا خون کیا ہے تب جاکر وہ ایک سوال کا جواب دے پائے ہیں۔ پوری کتاب میں ان کی عبرتناک حیرانی اور اہل سنّت کے طریقۂ استدلال کی طرف بار بار پلٹنے کا تماشا قابل دید ہے۔

موصوف کے اس کتابچے کے چند اقتباسات صرف اس لئے ذیل میں

نقل کئے جا رہے ہیں تاکہ واضح طور پر دیوبندی حضرات بھی یہ محسوس کر لیں کہ جو مکتبِ فکر اجتماعی زندگی میں دو قدم بھی ساتھ نہیں دے سکتا اسے بے جان لاش کی طرح اٹھائے پھرنے سے کیا فائدہ؟

منکرین کلمہ نے اپنے استدلال میں کہا ہے کہ صیغۂ شہادت (یعنی اَشْھَدُ اَنْ) کے بغیر احادیث میں جہاں بھی یہ کلمہ آیا ہے وہاں صرف لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مذکور ہوا ہے۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ مذکور نہیں ہے۔ لہذا ان دونوں کلموں کو ایک ساتھ ملا کر پڑھنا اور کلمۂ واحدہ بنا لینا بدعت اور ناجائز ہے۔

قاری طیب صاحب نے ان کے استدلال کا جو جواب دیا ہے وہ دیوبندی نسل کے لئے بڑا ہی عبرت انگیز ہے۔ فرماتے ہیں!

> ان مذکورہ روایات میں یہ جملہ ثانیہ (یعنی محمد رسول اللہ) مذکور نہیں لیکن اس کی نفی اور ممانعت بھی تو مذکور نہیں جس سے لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ ملا کر پڑھنا ممنوع ثابت ہو۔

(کلمۂ طیب ص۶۶)

منکرین کے اس مطالبہ پر کہ رائج کلمۂ طیبہ کے جواز کے لئے صحابۂ کرام کا عمل دکھلایئے، قاری صاحب کی حیرانی کا عالم قابلِ دید ہے۔ اپنی ہی ڈشائے ہوئے سوال کا جب کوئی جواب نہیں بن پڑ سکا ہے تو جھنجھلاہٹ میں یہاں تک لکھ گئے ہیں۔

اس کے جواز کا مدار کتاب وسنت اور اجماع پر ہے نہ کہ فعل صحابہ پر کیونکہ حجت مستقلہ ہی نہیں ہے۔ اس لئے حجت کے سلسلے میں مستقلاً فعل صحابہ کا مطالبہ کیا جانا شرعی فن استدلال کو چیلنج کرنا ہے۔

(کلام طیب ص ۱۱۵)

چلئے بچھٹی ہوئی۔ ع "وہ شاخ ہی نہ رہی جس پہ آشیانہ ہو"۔

وائے رے! ذہن وفکر کی گمراہی! ایک سوال سے پیچھا چھڑانے کے لئے چند در چند سوالات اپنے اوپر لادلینا پڑا۔

عرض کرتا ہوں، حجت مستقلہ نہ سہی، حجت تو ہے۔ آخر اجماع بھی تو صحابہ کے عمل ہی سے وجود میں آتا ہے پھر اس کا مطالبہ شرعی فن استدلال کو چیلنج کرنا کیوں ہے؟ جواب دیجئے! اور یہ بھی ارشاد فرمایئے کہ میلاد و قیام اور عرس و فاتحہ کے جواز کے سلسلے میں فعل صحابہ کا مطالبہ کر کے ایک صدی سے جو شرعی فن استدلال کو آپ حضرات چیلنج کر رہے ہیں تو اس کا خون کس کی گردن پر ہے؟۔

اور لگے ہاتھوں یہ بھی واضح کر دیا جائے کہ "جماعت اسلامی" والے بھی فعل صحابہ کو حجت نہیں مانتے اور آپ حضرات کا بھی یہی مسلک ہے تو دونوں میں جو فرق کیا ہے۔۔۔ ایک ہی بات کا انکار کر کے وہ گمراہ قرار دے دیئے گئے اور مسند ہدایت پر آپ حضرات کی اجارہ داری اب تک قائم ہے۔۔۔۔۔۔ ایسا کیوں ہے؟۔

اور زحمت نہ ہو تو اس سوال کا جواب بھی مرحمت فرمایا جائے کہ جواز کا مدار آپ نے کتاب و سنت اور اجماع پر رکھا ہے اور فعل صحابہ کو حجت غیر مستقلہ قرار دیکر دلائل شرعیہ کے زمرے سے اسے نکال دیا ہے۔ ایسی صورت میں یہ سوال خود بخود پیدا ہوتا ہے کہ کیا آپ حضرات کے نزدیک "اجماع" حجت مستقلہ ہے۔

لغزش و حیرانی کا سلسلہ اتنے ہی پر ختم نہیں ہو جاتا آگے چل کر ہتھیار ڈال دینے والی بات شروع ہو گئی ہے۔ اپنے مذہب فکر کی شکست کا ایک کھلا ہوا اعتراف ملاحظہ فرمائیے ——— ارشاد فرماتے ہیں۔

> کلمۂ طیبہ کی نفی کے لئے استدلال کی یہ شکل کسی حالت میں بھی معقول نہیں ہو سکتی کہ یا تو کلمۂ طیبہ کا استعمال کسی ایک صحابی سے ہی دکھلایا جائے ورنہ اس کے استعمال کو ممنوع سمجھا جائیگا ———
>
> معقول صورت استدلال کی اگر ہو سکتی ہے تو وہ اثبات ہی کی ہو سکتی ہے جس میں متعین کلمہ سے بطور دلیل نقض یہ کہا جائیگا کہ یا تو کلمۂ طیبہ کی مخالفت کسی ایک ہی صحابی کے قول و فعل سے دکھلادی جائے ورنہ اسے جائز سمجھا جائے گا۔
>
> ("کلمۂ طیب" صـ ۱۱)

صد حیف! آنکھ بھی کھلی تو اس وقت جبکہ اہل اسلام کی مذہبی اور روحانی آسائش کا خرمن جل گیا۔ یہی انداز فکر اب سے پہلے اپنا لیا گیا ہوتا تو میلاد و

قیام اور عُرس و فاتحہ کے مسائل پر ہمارے اور آپ کے درمیان ایک نہ ختم ہونے والی پیکار شروع ہی کیوں ہوتی۔

ہم بھی تو یہی کہتے تھے کہ یا تو میلاد و قیام اور عُرس و فاتحہ کی ممانعت کسی ایک ہی صحابی کے قول سے دکھلادی جائے ورنہ ان سارے امور کو جائز سمجھا جائے گا اور ہمارا ابھی تو بار بار آپ حضرات سے یہی کہنا تھا کہ میلاد و قیام اور عُرس و فاتحہ کے عدم جواز کے لئے استدلال کی یہ شکل کسی حالت میں بھی معقول نہیں ہو سکتی کہ یا تو ان تمام امور پر کسی ایک ہی صحابی کا عملدرآمد دکھلایا جائے ورنہ انھیں ممنوع سمجھا جائیگا۔

اب ماضی و حال کے آئینے میں اپنی جماعت کا کردار سامنے رکھ کر خود ہی فیصلہ کر دیجئے کہ اُمت کے اندر مذہبی انتشار پھیلانے کا الزام کس کے سر ہے؟ وقت نہیں گیا ہے اب بھی اس الزام سے سبکدوش ہونے کی کوئی راہ تلاش کیجئے۔!

بات اتنے ہی پر نہیں ختم ہوتی۔ آگے چل کر تو قاری طیب صاحب نے وہ بنیاد ہی کھود ڈالی ہے جس پر دیوبندی مذہب کا ایوان کھڑا ہے۔ جس بے رحمی کے ساتھ انھوں نے اپنی جماعت کے انداز فکر کا قتل عام کیا ہے اس کے خون کی سرخیاں بہت دنوں تک "دارالعلوم دیوبند" کی دیواروں پر ثبت رہیں گی۔

منکرین کلمہ کے استدلال کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

> بہت سے مباحات اصلیہ جو صحابۂ کرام کے زمانے میں زیرِ عمل نہیں آئے مگر اباحت اصلیہ کے تحت جائز ہیں یا بہت سے اجتہادی مسائل جو زمانۂ صحابہ میں زیرِ عمل تو کیا زیرِ علم بھی نہیں آئے مگر بعد میں کسی اصول شرعی سے مستنبط ہوئے تو وہ اس لئے ناجائز نہیں کہ ان کے بارے میں صحابہ کا عمل منقول نہیں ہے۔
>
> پس ایسے جائز مسائل پر جب بھی امت عمل پیرا ہوگی اسے اس کا حق ہے اور وہ عمل شرعی ہو کر ہی ادا ہوگا۔
>
> ("کلمۂ طیبہ" صفحہ ۱۱۲)

حالات کی ستم ظریفی بھی کتنی عجیب و غریب ہوتی ہے کل تک میلاد و قیام اور عرس و فاتحہ کے جواز پر یہی دلائل جب ہم پیش کرتے تھے تو اس پوری جماعت میں ہماری گفتگو کا کوئی شنوا ہی نہیں تھا لیکن آج اپنا معاملہ آن پڑا ہے تو جواب سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ہمارا ہی طرزِ استدلال مستعار لینا پڑا ہے۔

چلئے! ہماری بات نہ سہی اپنی ہی بات سمجھ کر اب تو راہ راست پر آجائیے اور میلاد و قیام اور عرس و فاتحہ کی مخالفت سے توبہ کر لیجئے۔ اور اب تو صرف اس لئے ان امور کو ناجائز نہ کہیے کہ ان کے بارے میں صحابہ کا عمل منقول نہیں ہے۔

ایک ذہنی زلزلہ توحید پرستی کے غرورِ باطل میں سنی مسلمانوں کو بے دریغ مشرک، بدعتی اور قبر پرست کہنے والوں کی ایک عبرت انگیز کہانی سنئے۔

دیو بندی فرقے کے پیشوا مولانا اشرفعلی تھانوی کا سوانح نگار اپنی کتاب اشرف السوانح میں تھانوی صاحب کے پر دادا محمد فرید صاحب کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے ــــــ

کسی بارات میں تشریف لے جا رہے تھے کہ ڈاکوؤں نے آکر بارات پر حملہ کیا ان کے پاس کمان تھی اور تیر تھے۔ انھوں نے ان ڈاکوؤں پر دلیرانہ تیر برسانا شروع کئے۔ چونکہ ڈاکوؤں کی تعداد کثیر تھی اور ادھر بے سر و سامانی تھی یہ مقابلے میں شہید ہو گئے۔

شہادت کے بعد ایک عجیب واقعہ ہوا۔ شب کے وقت اپنے گھر مثل زندہ کے تشریف لائے اور اپنے گھر والوں کو مٹھائی لاکر دی اور فرمایا کہ اگر تم کسی سے ظاہر نہ کروگی تو اسی طرح روز آیا کریں گے لیکن ان کے گھر کے لوگوں کو یہ اندیشہ ہوا کہ گھر والے جب بچوں کو مٹھائی کھاتے دیکھیں گے تو معلوم نہیں کیا شبہ کریں اس لئے ظاہر کر دیا اور آپ تشریف نہیں لائے یہ واقعہ خاندان میں مشہور ہے۔

(اشرف السوانح ج ۱ صـ۱۲)

اللہ اکبر! ہم انبیاء و مرسلین، شہدائے مقربین اور اولیاء اللہ کی ارواح طیبات کے بارے میں اگر یہ عقیدہ رکھ لیں کہ خدائے پاک نے انھیں زندوں کی طرح حیات اور تصرف کی قدرت بخشی ہے تو بدعت و شرک، قبر پرستی اور جاہلیت پرستی کے طعنوں سے ہمارا سینہ چھلنی کر دیا جائے

اور تھانوی صاحب کے "جد مقتول" کی بابت اس عقیدے کی اشاعت پر کہ وہ زندوں کی طرح گھر پلٹ کر آئے، اپنی بیوہ عورت سے دو بدو باتیں کیں، مٹھائی پیش کی اور اسی شان سے عرصے تک آتے رہے اور جب ان کی بیوی نے ان کے آنے کا راز فاش کر دیا تو آنا بند کر دیا، کوئی بھی گریبان نہیں تھا
کوئی اس عقیدے کو شرک نہیں ٹھہراتا، کوئی یہ نہیں پوچھتا کہ "عالم برزخ میں مٹھائی کی دکان کب سے کھلی ہے"، کوئی یہ سوال نہیں اٹھاتا کہ "علم غیب تو صرف اللہ کو ہے" قبر میں انھیں کیونکر معلوم ہو گیا کہ بیوی نے ان کے آنے کا راز فاش کر دیا ہے"۔

ہے کوئی انصاف و دیانت کا حامی جو دیوبندی مولویوں سے جا کر پوچھے کہ جو عقیدہ رسول و نبی، غوث و خواجہ اور شہید و مخدوم کی بابت شرک ہے وہی تھانوی صاحب کی بابت کیونکر ایمان بن گیا ہے؟
آنکھوں میں دھول جھونک کر آخر کب تک توحید پرستی کا یہ ڈھونگ رچا جائے گا؟

ایک اور دھماکہ خیز واقعہ قاری طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند بیان کرتے ہیں کہ ایک بار دارالعلوم کے مدرسین کے درمیان بہت بڑا ہنگامہ ہوا۔ مولوی محمود الحسن صاحب بھی اس ہنگامے میں ایک فریق کے ساتھ ہو گئے۔ جھگڑا طول پکڑ گیا اور حالات نہایت سنگین ہو گئے اس کے کی سرگزشت قاری طیب ہی کے الفاظ میں سنیئے۔

اسی دوران میں ایک دن علی الصباح بعد نماز فجر مولانا رفیع الدین صاحب نے مولانا محمود الحسن صاحب کو اپنے حجرے میں بلایا (جو دار العلوم میں تھا) مولانا حاضر ہوئے اور بند حجرہ کو اڑ کھول کر اندر داخل ہوئے۔ موسم سخت سردی کا تھا۔ مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "پہلے میرا روئی کا یہ لبادہ دیکھو"۔ مولانا نے لبادہ دیکھا تو تر تھا اور خوب بھیگ رہا تھا۔ فرمایا کہ واقعہ یہ ہے کہ ابھی ابھی مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جسد عنصری (یعنی جسم ظاہری) کے ساتھ میرے پاس تشریف لائے تھے جس سے میں ایک دم پسینہ پسینہ ہوگیا اور میرا لبادہ تر بہ تر ہوگیا" اور فرمایا کہ "محمود حسن کو کہہ دو کہ وہ اس جھگڑے میں نہ پڑے"۔ بس میں نے یہ کہنے کے لئے بلایا ہے۔" مولانا نے عرض کیا کہ "حضرت میں آپ کے ہاتھ پر توبہ کرتا ہوں کہ اس کے بعد میں اس قصے میں کچھ نہ بولوں گا۔

(ارواح ثلاثہ صفحہ ۲۴۲)

اب نیا تماشہ اور ملاحظہ فرمایئے! قاری صاحب کی اس روایت پر تھانوی صاحب نے اپنا حاشیہ چڑھایا اور اس واقعہ کی توثیق کرتے ہوئے یہ تاویل فرمائی۔

یہ واقعہ روح کا تمثل تھا اور اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ جسد مثالی تھا مگر مشابہ جسد عنصری کے۔ دوسری صورت یہ کہ روح نے خود عناصر میں تصرف کرکے جسد عنصری تیار کر لیا ہو۔" (ارواح ثلاثہ صفحہ ۲۴۲)

لا إله إلا الله! دیکھ رہے ہیں آپ؟ اس ایک واقعہ کے ساتھ کتنے شرکیہ
عقیدے لپٹے ہوئے ہیں۔

مولانا قاسم نانوتوی کو اگر علم غیب نہیں تھا تو عالم برزخ میں ان سے
کس نے جاکر کہہ دیا تھا کہ دارالعلوم دیوبند میں بڑا سخت ہنگامہ ہو گیا ہے
مولوی محمود حسن بھی ایک فریق میں شامل ہو گئے ہیں آپ چل کر انھیں منع کر دیجئے۔

اور روح کی قوت تصرف دیکھئے کہ اس عالم میں دوبارہ آنے کے لئے
اس نے خود ہی آگ پانی ہوا اور مٹی کا ایک انسانی جسم تیار کیا اور خود ہی اس میں
داخل ہو کر زندگی کے آثار اور نقل و حرکت کی قوتوں سے مسلح ہوئی اور قبر سے
اٹھ کر سیدھے دیوبند کے مدرسہ میں چلی آئی۔

مولوی قاسم نانوتوی صاحب کی روح کے لئے یہ خدائی اختیارات بلاچون و
چرا مولوی رفیع الدین صاحب نے بھی تسلیم کر لیا، مولوی محمود الحسن نے بھی مان لیا
اور اشرف علی تھانوی کا کیا کہنا کہ انھوں نے تو جسم انسانی کا خالق ہی اسے ٹھہرا دیا۔
اور اب قاری طیب صاحب کی اس کی اشاعت فرما رہے ہیں۔

ہے کوئی غیرتمند مسلمان؟ جو ان قصہ نویسوں سے پوچھے کہ روحانی تصرفات
کے جو اختیارات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء و شہداء کے لئے تم
شرک جلی سمجھتے ہو اور جس بنیاد پر تمہارے مذہب فکر کی پوری عمارت کھڑی ہے
اب وہی شرک جلی مولوی قاسم صاحب نانوتوی کے لئے کیونکر ایمان و اسلام
بن گیا ہے؟

شرک کے سائے میں بیٹھ کر توحید پرستی کا راگ الاپنے والو شرم کرو اور

ــــ ایسے ہی دو واقعات سمیت کئی واقعات پر مشتمل ضخیم تحقیقی کتاب "زلزلہ"
ہے جس نے مقبولیت اور اشاعت کے ریکارڈ ختم کئے ہیں۔

اے سپیدۂ سحر کا انتظار کرو جب تمھارے فریب کا دامن چاک ہوگا۔
(جام نور کلکتہ بابت ستمبر ۶۶ء)

مولانا مودودی کی بیگم محفل میلاد میں

مولانا مودودی اور ہند و پاک میں ان کی جماعت کے افراد محفل میلاد کے خلاف جس غیظ و غضب اور نفرت و دشمنی کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں وہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے۔

ابھی گزشتہ ہی سال کی بات ہے کہ ۱۲ ربیع الاول کے موقع پر مولانا مودودی نے تقریر کرتے ہوئے یہ کہا تھا۔

"اس دن کو دیوالی اور دسہرہ کی شکل دیدی گئی ہے اور عین میلاد کے دن لاہور میں شیطان کا عَلَم بلند کیا گیا ہے (معاذ اللہ)

(نوائے وقت لاہور)

یہ رہا مولانا مودودی کا کردار! اب ان کی بیگم صاحبہ کا کردار ملاحظہ فرمایئے روزنامہ "نوائے وقت" لاہور رقم طراز ہے کہ امسال ۱۲ ربیع الاول کے موقعہ پر لاہور کے ایک کلب میں محفل میلاد منعقد ہوئی جس میں مودودی صاحب کی بیگم بھی شریک ہوئیں قیام و سلام بھی ہوا اور دعا پر مجلس ختم ہو گئی موصوفہ کی تقریر کا یہ حصہ قابل ذکر ہے۔

"یہ مہینہ ہر برس آتا ہے اور ہم عید میلاد النبی بڑے چاؤ اور جذبے سے مناتے ہیں۔"

(نوائے وقت ۲۱ر جون ۶۷ء)

سید ابو الاعلیٰ مودودی صاحب نے ۱۹۶۷ء کے انتخابات کے لئے میلاد شریف کے جلوسوں میں شرکت کی — اور اپنے تئیں، شیطان کا جھنڈا بلند کیا — کفر و شرک اور بدعت و گمراہی ... کے مرتکب ہوئے — تھوکا ہوا چاٹ لیا —

اگر مولانا مودودی کو اس واقعہ کی اطلاع نہیں تھی تو یہ یقین کرنا مذہبی قیادت کی تاریخ کا بڑا ہی سنگین حادثہ کہلائے گا کہ مولانا مودودی کی بیگم ان کے اختیار میں نہیں ہیں۔ اور اپنے شوہر کے مذہبی عقیدے کے خلاف کسی بھی محفل میں وہ اجازت حاصل کئے بغیر شریک ہوتی ہیں اور اگر انھیں اطلاع تھی تو ایک حرام مجلس میں شرکت کی انھوں نے کیوں اجازت دی؟ جو اپنی رفیقۂ حیات کو اپنے دین کا پابند نہیں بنا سکتا وہ گھر کے باہر عام مسلمانوں کو کیا دین کا پابند بنائے گا۔

مطبوعات **لوح و قلم** لاہور

مقبول • معیاری • ارزاں

کتاب	مصنف	صفحات	قیمت
عہد نبوی میں نظام حکمرانی	ڈاکٹر محمد حمید اللہ	۳۲۰ صفحات	۱۸/-
مکتوبات نبوی	سید محبوب رضوی	۳۲۰ "	۱۸/-
آمنہ کا لال	علامہ راشد الخیری	۹۶ "	۶/۵۰
سیدہ کا لال	علامہ راشد الخیری	۱۷۶ "	۱۲/-
شہید اعظم	ابوالکلام آزاد	۷۲ "	۶/۵۰
معین الہند	ڈاکٹر ظہور الحسن شارب	۱۹۲ "	۱۲/-
حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر	وحید احمد مسعود	۲۹۶ "	۱۸/-
حضرت محبوب الٰہی	اخلاق حسین دہلوی	۲۲۴ "	۱۵/-
دلی کے بائیس خواجہ	ڈاکٹر ظہور الحسن شارب	۲۷۲ "	۱۸/-
ہمارے پیغمبر	احمد مصطفیٰ صدیقی	۲۵۸ "	۱۵/-
مسلمان فاتحین	احمد مصطفیٰ صدیقی	۲۳۲ "	۱۵/-
آئینہ نماز	مولانا عاشق الٰہی	۱۱۲ "	۹/-

ملنے کا پتہ: المعارف گنج بخش روڈ لاہور